

# باغِ فدک

مسئلہ فدک کی تحقیق

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فدک غصب کرنے  
سے متعلق الزام کا مکمل جواب

تالیف

علامہ سید محمود احمد رضوی

## نظرِ اولین

اس کتابچہ کی ترتیب کا مقصد مناظرہ و مباحثہ نہیں۔ بلکہ اپنے مذہب و مسلک کی وضاحت اور صحابہ کرام کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلانی جاتی ہیں اور فرضی افسانے بنا کر ان مقدس اور واجب الاحترام ہستیوں پر جو طعن رکھے جاتے ہیں ان کی مدافعت مقصود ہے۔ مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اس کتابچہ کو نہایت ٹھنڈے دل و مانع کے ساتھ مطالعہ فرمائیں اور جو حق پائیں اس کو قبول کر لیں۔

سید محمد واحد رضوی  
دسمبر ۱۹۵۴ء

## بارہواں طعنِ بارہ فک

فدک سے متعلق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو طعن کیا جاتا ہے یہ بارہواں طعن ہے جو مختلف الفاظوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے اپنے والدِ مکرم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے حدیث لا ذَوْرُثُ سَنَادِیْ جِسْ پر سیدہ ناراض ہوئیں۔ آپ نے کہا اے ابو بکر! فک کے بیٹے یہ کونسا انصاف ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث حاصل کرے اور میں محروم رہوں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ نے کہا فک ہمارا ہے۔ رسول ہمیں دے گئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر نے گواہ طلب رکھے تو سیدہ حضرت علی، حبیب اور ام المین کو گواہ لائیں اور حضرت ابو بکر نے ان کی گواہی رد کر دی۔ پھر اس پر یہ چاشیہ چڑھایا جاتا ہے کہ اس پر سیدہ ناراض ہو گئیں اور مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے زبوں لیں۔ حتیٰ کہ یہ وصیت کر گئیں کہ میرے

جنازہ میں ابو بکر شریکے ہوں۔ چنانچہ بوقت وفات حضرت علی نے ابو بکر کو اطلاع بھی نہ دی اور راتوں رات آپ کو دفن کر دیا۔ دیکھو ابو بکر نے جگر پارہ رسول کو ناراض کیا۔ حضور نے فرمایا ہے۔ فاطمہ کی اذیت سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے تو ابو بکر نے فقط فاطمہ کو غضب ناک نہیں کیا بلکہ پیغمبر خدا کو غضب ناک کیا۔ اور اغصاب النبی علی حدّ الشراک؛ (خلاصہ از کتاب سوار السبیل صفحہ ۵۹) مصنف محمد ہدی شیعہ عالم طعن کی تقریب آپ نے سن لی حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک تک کہہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کہا جاتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو ہدایت دے اور یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ذاکروں کے فرضی افسانے سننے پر ہی اکتفا نہ کریں۔ بلکہ انصاف و دیانت کے ساتھ فریقین کی تحریروں کا مطالعہ کریں۔ اور جو حق نظر آئے اسکو قبول کر لیں۔ یہ ہے کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ فاطمہ نے فدک مانگا تھا اور صدیق اکبر

**طعن فدک کا جواب** | نے اس کے جواب میں رسول کریم کی حدیث سنائی تھی۔ لیکن سیدہ کا ناراض ہونا یا ابو بکر پر بددعا کرنا یا اپنے ناز جنازہ میں شرکت سے منع فرمانا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو مخالفین صحابہ کی تصنیف ہیں۔ جناب سیدہ کا فدک کے بارے میں اپنی زبان سے ابو بکر کی شکایت فرمانا اہل سنت کی کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ بخاری و مسلم میں اس کا قصہ یوں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو بکر سے فدک کا سوال کیا۔ یا یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اور عباس حضرت ابو بکر سے میراث طلب کرنے کے لیے آئے۔ حضرت سیدہ فدک کا مطالبہ کرتی تھیں اور حضرت عباس سہم خیر کا۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے ابتداء یہ ہرگز نہیں چنایا کہ میں نہیں دیتا بلکہ آپ نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تو حضرت ابو بکر نے ان دونوں سے فرمایا :-

میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ سب وہ سب صدقہ ہے۔ ہاں آل محمد اس کی آمدنی سے کھائیں گے۔

فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُدْرِثُ مَا تَرَكْنَا لَا مَدَقَّةَ إِلَّا مَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الثَّمَالِ -



اس حدیث رسول کو سنانے کے بعد حضرت ابو بکر نے فرمایا :-

وَاللّٰهُ لَا اَدْعُ اَمْرًا اَدَّيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)

بخدا جو کام میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا اسکو ترک نہیں کروں گا۔

مسلم شریف کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حدیث سنانے کے بعد کہا :-

اِنِّیْ وَاللّٰهُ لَا اُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ  
رَسُوْلِ اللّٰهِ عَنْ حَالِهَا الَّذِیْ کَانَ  
عَلَيْهَا فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا عَمَلًا  
رَفَعْنَا بِمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (مسلم شریف)

خدا کی قسم میں صدقہ رسول کو جیسے کہ وہ رسول کے زمانے میں تھا متغیر نہیں کروں گا اور اس میں جس طرح رسول نے عمل کیا ہے اسی طرح کروں گا۔

ہم نے کتب صحاح اہل سنت کی روایات من وعن آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان میں صرف یہ ہے کہ جب فدک کا مطالبہ ہوا تو حضرت ابو بکر نے حدیث سنائی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بتاتے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر نے یہ بھی فرمایا کہ فدک حکم نبوی کے مطابق تقسیم تو نہیں ہوگا مگر اس کی آمدنی آل محمد پر صرف ہوگی۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ جس طرح فدک کی آمدنی کو حضور اکرم اپنی حیات مبارکہ میں خرچ فرماتے تھے۔ میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا اور حضور کے طریق کار کا پابند رہوں گا۔ یہ ہے وہ گفتگو جو سیدہ فاطمہ اور حضرت ابو بکر کے درمیان ہوئی۔ حضرت فاطمہ نے حدیث سنی لینے کے بعد زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے اتنی گفتگو میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی بنا پر فریقین کو سوڑ و طعن بنایا جائے۔ سیدہ فاطمہ کا فدک طلب کرنا حضرت ابو بکر کا حدیث سننا حکم شرع ظاہر فرمانا اور قسم اٹھانا کہ یہ کہنا کہ میں فدک میں حضور کے طریق کار کا پابند رہوں گا۔ کوئی بھی تو ایسی بات نہیں ہے جس کو طعن کا سبب بنایا جائے۔ غرض کہ حضرت فاطمہ و ابو بکر کے اس سوال و جواب کو نقل کرنے کے بعد راوی حدیث اپنے ذاتی تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔

پس حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں۔ انہوں نے ابو بکر کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت فاطمہ حضور کے بعد چوبہاہ تک جی رہیں۔

فَضَبَّتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ  
اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَةً حَتّٰی  
تَوَفَّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ  
سِتَّةَ اَشْهُ (بخاری)

یہاں یا قرابلیٰ ذکر ہے کہ روایت کے یہ لفظ جن پر ہم نے لکیر کھینچ دی ہے یہ حضرت فاطمہ کی زبان کے لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ راوی حدیث کے ذاتی تاثرات ہیں جن کو انھوں نے اپنے لفظوں میں میں ظاہر کیا ہے۔ اور یہی بات ہم کو خصوصیت سے نوٹ کرانی ہے کہ صحاح کی کسی بھی روایت میں حضرت ابوبکر کی شکایت جناب سیدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ راوی حدیث ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدہ کی زبان سے حضرت ابوبکر کی شکایت سنی ہے۔ اور نہ راضی دل کا فعل ہے۔ جب تک زبان سے اس کا اظہار نہ ہو دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ البتہ قرائن سے دوسرے شخص قیاس کر سکتا ہے۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا امکان ہے اور جب تک سیدہ کی زبان سے شکایت کا اظہار نہ ہو اس وقت تک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہوئی ہیں۔ ثانیاً۔ اگر بالفرض والمحال ناراض ہو بھی گئیں تو حدیث سن کر ان کا ناراض ہونا اور حضور کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر پر ناراض ہونا ایسی بات ہے جو سیدہ سے ممکن ہی نہیں ہے بجلایہ کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابوبکر حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا عہد کریں اور سیدہ ناراض ہو جائیں۔ ان دو اصولی باتوں کو ذہن میں رکھ کر روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو پھر طعن کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی بہر حال اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اس موقع پر تو ہمیں صرف یہ بتانا تھا کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ نے فکر اٹکانا اور حضرت ابوبکر نے حدیث سنائی مثنیٰ اور حکم نبوی کی تعمیل میں فائز تقسیم نہ ہوا۔ لیکن یہ بات کہ حضرت فاطمہ نے اپنی زبان مبارک سے ناراضگی کا اظہار فرمایا محض ایک افواہ ہے جو کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

جو حدیث سیدنا ابوبکر صدیق نے سنائی۔ اس کے متعلق پہلا  
**آیت یُوصِيكُمُ اللّٰهُ كَامَلُ جَوَاب** | اعتراض یہ ہے کہ یہ آیت قرآنی کے خلاف ہے۔ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے یُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوَّلٰ دِكْهُمُ لِلَّذِيْ كَسٰ مِثْلُ حَظِّهٖ الْاُنْثٰى۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اولاد کے حق میں مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کی وصیت کی ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ نبی اور غیر نبی سب کے لیے ہے۔ جیسے عام لوگوں کی اولاد باپ کے مندر کمال کی وارث ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء و کرام خصوصاً حضور علیہ السلام کی میراث آپ کی اولاد میں تقسیم ہونی چاہیئے۔

**جواب:** اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں مرد کے کو دو گنا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیے جانے



کا حکم ہے۔ مگر حکم عام نہیں ہے۔ صرف اُمت کے لیے ہے۔ اور جو امور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد ایسی آیتیں ہیں جن میں خطاب حضور کو ہے، مگر مراد اس سے اُمت ہے۔

فَاَنْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ | نِكَاحِ كُرُوْا نَوْرَتُوں سے جن کو تم پسند  
مَشْنٰی وَثَلَاثَ وَرُبْعَ - کرو۔ دو یا تین یا چار تک۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان مرد کو بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے اور چار سے زیادہ ناجائز ہے لیکن حکم اُمت کے لیے ہے، اور حضور اکرم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ آپ کو چار سے زیادہ شادیاں کرنا جائز تھا اور اس کا جواز قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجیے :-

(۱) لَا تَبْتَغُوا اَعْمَالَ الْكُفْرِ (۲) وَتَقَطَّعُوا اَرْحَامَكُمْ (۳) مَنْ يَتَرَكَ مِنْكُمْ  
عَنْ وَثِيْقَةٍ - ان آیات میں حضور اکرم مراد نہیں ہیں کیونکہ ارتداد عن الاسلام اور قطع ارحام وہ امور ہیں جن کا حضور میں پایا جانا محال ہے۔ اسی طرح (۴) وَاعْلَمُوا اَنْ فَيْكُمُ رَسُولُ اللَّهِ (۵) لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ (۶) فَاتَّبِعُوهُ يَخْبِتْكُمْ اللَّهُ (۷) حَرَّائِصٌ عَلَيْكُمْ (۸) وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَغَوَّرَهُ فِي قُلُوبِكُمْ خُصُوصًا  
اکرم اس میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ اُمت مراد ہے۔ تو اسی طرح آیت يُدْرِكُكُمْ اللَّهُ میں حضور اکرم شامل نہیں ہیں اور حکم افراد اُمت کے لئے ہے۔ چنانچہ خود شیعہ مذہب کی معتبر کتاب اصول کافی کی حدیث اس کی تائید کر رہی ہے۔ اور یہ تبارہی ہے کہ حضور علیہ السلام اس میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حکم عام افراد اُمت کے لیے ہے۔

سوال : اس موقع پر شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی لیکن ان کا ایسا کننا صحیح نہیں۔ کیونکہ خود شیعہ مذہب میں حدیث سے قرآن کی تخصیص جائز ہے۔ بلکہ آیت يُدْرِكُكُمْ اللَّهُ فِيْ اَوَّلَادِكُمْ کے حکم میں شیعہ علماء نے خود تخصیص کی ہے۔ اور شیعہ کتب فقہ میں (تخصیص) مانع ارث میں تک گناے جاتے ہیں۔ چھ صاحبِ لمعہ نے ذکر کیے ہیں اور کتاب شرائع الاسلام میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مثلاً (۱) اولادِ مسلم کا فریاد کی وارث نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر ایک دوسرے میں سے ایک غلام ہو یا ایک دوسرے کا قاتل ہو اور قصاص یا کفارہ لازم ہو گیا ہو۔

یا ایک دوسرے میں سے ایک حربی ہو اور دوسرا اہل اسلام کی رعیت ہو تو ان سب تسکون میں توارث جاری نہ ہوگا۔ جیسا کہ شرائع الاسلام و سراجی میں ہے۔

وراثت سے محروم ہونے کے چند اسباب ہیں۔ وارث غلام ہو یا عام ازب کر وہ نام ہو یا ناقص ہو، مورث کو وارث کا قتل کرنا کہ اس پر قصاص یا کفارہ لازم ہو۔ مورث و وارث کا مذہب میں مختلف ہونا اختلاف داریں یعنی ایک دارالسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

(سراجی)

الْمَالُ مِنَ الْإِثْرِ الرِّقَاقِ وَأَفْرَأُ  
أَوْ نَاقِصًا أَوْ الْقَتْلُ الَّذِي يَتَعَلَّقُ  
بِهِ وَجُوبُ الْقَضَائِ أَوْ الْكُفَّارَةُ  
وَ اخْتِلَافُ الدِّينَيْنِ وَ اخْتِلَافُ  
الدَّارَيْنِ إِمَّا حَقِيقَةً كَالْحَرْبِ  
أَوِ الذِّمِّ أَوْ حُكْمًا كَالْمُخْتَلَفِ  
وَالَّذِي أَوْ الْحَرْبِ بَيْنَ مَنْ دَارَيْنِ  
مُخْتَلِفَيْنِ .

دیکھیے شیعہ علماء احادیث ائمہ کرام کے پیش نظر مذکورہ بالا افراد کو آیت کے حکم عام سے خاص کر رہے ہیں جس سے واضح ہوا کہ شیعہ مذہب میں حدیث سے تخصیص جائز ہے بغیر مذکورہ شیعہ سنی دونوں متفق ہیں کہ ان مذکورہ بالا صورتوں میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ حالانکہ آیت میراث کا حکم جمیع افراد امت کے لئے ہے تو جیسے ان افراد کو از روئے حدیث شیعہ علماء نے آیت کے حکم عام سے خاص کیا ہے۔ اس طرح حدیث لانورث نے (جو زلفین کی کتب صحاح کی حدیث ہے) حضور علیہ السلام کو اس سے علیحدہ کر دیا اور بتا دیا کہ حکم افراد امت کے لئے ہے حضور کے لئے نہیں۔ پس حدیث لانورث آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی توضیح کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ کُیُوصِیْکُمُ اللّٰہُ کے خطاب میں حضور علیہ السلام داخل ہی نہیں۔ لہذا حدیث لانورث کو قرآن کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔

ثانیاً۔ اس حقیقت سے کون انکار

حضور کے ترک میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

کر سکتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید الزاہدین تھے۔ زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ آتا تھا غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً گھر تشریف لے گئے اور پھر فوراً باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا کہ نماز میں مجھے خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا ہوا ہے



خیال آیا کہ کہیں رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے اسکو خیرات کر دینے کو کہا یا ہوں (ابوداؤد)  
 ۲۔ ایک بار میں فداک نے چار اونٹ غلہ بار کے خدمتِ اقدس میں بھیجے۔ حضرت بلال نے اس کو  
 فروخت کیا۔ ایک یہودی کا قرض تھا اس کو ادا کیا اور حضور کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا: کچھ بچ تو نہیں گیا۔  
 کیونکہ جب تک کچھ باقی رہے گا، میں گھر نہیں جاؤں گا۔ بلال نے عرض کی حضور کیا کروں کوئی سائل ہی  
 نہیں ہے۔ حضور گھر تشریف نہیں لے گئے بلکہ مسجد میں رات بسر کی۔ صبح کو بلال نے خبر دی کہ جو بچا تھا  
 وہ غراب میں تقسیم کر دیا ہے۔ تب جا کر حضور گھر تشریف لے گئے (ابوداؤد)

مرضِ وفات میں آپ نے حضرت عائشہ کے پاس جو اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں، یاد آنے پر فوراً ان کی  
 خیرات کا حکم دیا تھا۔ یہاں اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم اپنے  
 پاس کچھ باقی نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہِ خدا میں خرچ فرمادیتے تھے۔ فیاض تھے اور انہما  
 درجہ کے زاہد تھے۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی واقعہ  
 پیشہادت نہیں دیتا کہ آپ نے اپنی ۲۲ سالہ زندگی میں کبھی زکوٰۃ ادا فرمائی ہو۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ  
 معاذ اللہ آپ مفلس اور غریب تھے۔ بلکہ یہی کہ جو کچھ آتا تھا اس کو راہِ خدا میں خرچ فرمادیتے تھے  
 اور اتنا مال جمع نہ ہوتا تھا کہ وہ زکوٰۃ کو پہنچے اور زکوٰۃ واجب ہو۔ جب یہ حقیقت ہے تو اس  
 صورت میں اگر ہم بالفرض والمحال تسلیم کر بھی لیں کہ آیتِ مبارک کے لفظ کُھ میں حضور اکرم بھی  
 شامل ہیں تو بھی حضور اکرم کی میراث کے تقسیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور اپنے پاس مال و دولت جمع فرماتے  
 ہی نہ تھے۔ جیسا کہ سلفہ میں یہودان بنی نصیر میں سے مخزومی نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ  
 شیب۔ صانقہ۔ دلال۔ حسینی۔ برقہ۔ اعواف۔ مشربام ابراہیم۔ مرتے وقت حضور کو وصیت کر دیے  
 تھے۔ مگر آپ نے ان کو بھی خیرات فرمادیا تھا اور راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا چنانچہ یہ بات شیعہ سنی دونوں  
 مذہب کی کتابوں سے ثابت ہے۔ مثنویوں کی کتاب اصحابہ تذکرہ مخزومی اور شیعوں کی فروغ کافی میں  
 اس کا ذکر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں  
 چھوڑا بھی تو وہ اپنی حیاتِ مبارک ہی میں وقف فرمادیا تھا۔ جیسے یہ سات باغ اور فداک۔ تو ایسی صورت  
 میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تقسیم وہ چیز ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو۔ اور حضور  
 اکرم نے ایسا کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہیں۔

مالک کہہ رہے ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں۔ دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں



# انبیاء کرام کی میراث صرف علم شریعت ہے

شیعہ سنی دونوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام کسی کو دنیاوی مال و دولت کا وارث نہیں بناتے۔ انبیاء کرام کی میراث صرف علم شریعت ہے۔ اگر وہ کچھ دنیاوی مال چھوڑ جائیں تو اس میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا تُورِثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةٌ | ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے  
(بخاری و مسلم) | ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَا تُقْسَمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفْقَةٍ وَمَوْنَةٍ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ (بخاری)

میری میراث تقسیم نہیں ہوتی درہم ہوں یا دینار۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد وہ صدقہ ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت عثمان کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروانے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا:-

أَكْبَيْتُ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَرِثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةٌ (مسلم شریف)

کیا حضور نبی کریم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

جب حضرت عائشہ نے حضور کی حدیث سنائی تو ازواج مطہرات نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضور نے بوقت وصال درہم و دینار

غلام لونڈی نہیں چھوڑے۔ مگر

الْبَيْعَةُ الْبَيْضَاءُ وَسَلَاحُهُ وَ  
أَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً (بخاری)

ایک سفید چتر، ہتھیار اور کھوپڑیں ان  
سب کو آپ نے صدقہ بنا کر چھوڑا تھا۔

• اسی طرح مالک بن اوس سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مجمع صحابہ میں جن میں حضرت  
عباس - عثمان - عبدالرحمن بن عوف، سعد بن العوام، سعد بن ابی وقاص موجود تھے۔ سب کو قسم دے کر  
کہا کیا تم جانتے ہو کہ حضور نے فرمایا، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے تو سب نے اقرار کیا کہ حضور نے  
ایسا فرمایا ہے۔ اب روایات صحاح شیعہ لیجئے :-

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت  
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا علماء دین انبیاء کے وارث ہیں۔  
اس لئے کہ انبیاء کرام کسی شخص کو درہم و  
دینار کا وارث نہیں بناتے ہیں تو جس  
نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت  
کچھ حاصل کیا۔

۱- عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ  
وَرِثَ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا ثِيَارًا  
وَلَا دِرْهَمًا وَلَكِنْ أَوْرَثُوا الْعُلَمَاءَ  
فَمَنْ أَخَذَ كَمِثْلِهِ أَخَذَ بِحِطَّةٍ  
وَإِنِّي (اصول کافی باب العلم والمتعلم)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ  
علماء دین انبیاء کرام کے وارث ہیں اور  
یہ اس لئے کہ انبیاء کرام نے کسی کو درہم و  
دینار کا وارث نہیں بنایا۔ انھوں نے  
صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا تو جس  
کسی نے ان دین کی باتوں کو حاصل کر لیا  
اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔

۲- عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
قَالَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ  
ذَلِكَ لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا  
دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا ثِيَارًا  
أَوْرَثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ  
فَمَنْ أَخَذَ كَبَشْيٍ مِمَّنْهَا فَقَدْ  
أَخَذَ حَقًّا وَافِرًا۔  
(اصول کافی باب صفة العلم)

یہ احادیث اس امر میں نص صریح ہیں کہ انبیاء کرام کی میراث صرف دین اور شریعت ہے۔ نیز اس آیت



میں کلمہ انعام بھی موجود ہے۔ جو حصہ کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے انعام و لیکھ میں شیعہ علماء انعام کو حصہ کے لئے مانتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء و کرام کی میراث صرف علم و شریعت ہی ہے۔ دنیاوی مال و منال زمین و جائیداد ان کی میراث میں کسی کو ملتے ہی نہیں۔ جب شیعہ سنی کی روایات سے یہ بات ثابت ہے تو پھر حضور اکرم کی میراث مالی کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نیز عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ انبیاء و کرام کی میراث صرف علم و شریعت

**عدم توارث کی عقلی دلیل** | ہی ہو۔ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکام خداوندی و

تزکیہ نفوس ہے۔ شریعت ہی ان کی دولت اور دین ہی ان کا مال ہے۔ لہذا ان کی میراث بھی صرف علم دین ہی ہونا چاہیے۔ خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے آخری رسول ہیں اور ساری کائنات کے رب و معلم و سرگزی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ایسی صورت باقی نہیں ہے کہ خدا سے احکام لے کر مخلوق تک پہنچائے جاسکیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضور کی بعثت کا مقصد فوت نہ ہو اور جس دین کو حضور لائے ہیں اس کی برا بربط و اشاعت ہوتی رہے۔ اس لیے ان کی میراث علم و شریعت ہی ہونا چاہیے۔

کے اس علاوہ | مالی ترک اس کا تقسیم ہوتا ہے جس پر موت واقع ہو جانے کے بعد احکام دنیاوی جاری نہ رہیں۔ ایک آدمی جب تک زندہ ہے اس کی بیوی، اس کے مال و منال جائیداد و زمین پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ زندہ ہے اس پر نماز روزہ اور تمام احکام شریعت کی پابندی واجب ہے لیکن جب وہ انتقال کر جاتا ہے تو اب اس کا تعلق دنیا سے نہیں رہتا اور احکام دنیاوی اس پر جاری نہیں ہوتے۔ مثلاً مرنے والے کی بیوی عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ بعد عدت رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال و جائیداد ورثہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مال سے اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال ہر اس شخص کا ہے جس پر موت واقع ہوگئی۔ چاہے مرنے کے بعد پھر دوبارہ اس کو حیات مل جائے۔ جیسے شہید فی سبیل اللہ کہ اس پر موت واقع ہوتی ہے مگر پھر اس کو زندگی مل جاتی ہے مگر اس زندگی مل جانے کے باوجود شہید پر بھی دنیاوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ اس کی بیوی بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ شہید کا مال و جائیداد بھی ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ مگر حضور

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے عکس ہے۔ آپ حیات النبی ہیں۔ ایک ان کے لیے آپ پر موت واقع ہوئی تھی۔ مگر اس کے بعد وہی حیات روحانی و جسمانی ہے جو احکام و آداب آپ کے اس وقت تھے وہی اب ہیں۔ آپ اس وقت بھی رسول تھے اب بھی ہیں۔ آپ اس وقت بھی اپنی ازواج مطہرات کے شوہر تھے اور آج بھی۔ آپ اس وقت بھی مالک و مختار تھے اور اب بھی ہیں۔ غرضیکہ اس دنیا میں جو احکامات و آداب حضور کے لیے اس وقت تھے وہی بعینہ اب بھی باقی ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں ہوا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بدستور آپ کے نکاح میں ہیں اور قرآن نے ان کو حضور کے بعد کسی اور سے نکاح کی ممانعت فرمادی ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات کے لیے سوگ اور عدت بھی نہیں ہے۔ پس جب حضور اقدس اس شان کے حیات النبی ہیں، زندہ رسول ہیں تو جو زندہ ہو اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہتی ہے۔ جو زندہ ہو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ جو زندہ ہو اور اس شان کا زندہ ہو اس کا مالی ترکہ بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ملکیت و دیگر احکام وغیرہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

**چند شبہات کے جوابات** | اس سلسلہ میں حضرات شیعہ کی طرف سے چند اعتراضات کیے جاتے ہیں جن کے مکمل جوابات یہ ہیں :-

**اعتراض اول:** اگر حدیث لانورث کو مان لیا جائے تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا۔ اور حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

**جواب:** حدیث لانورث تو آپ کو ماننا ہی پڑے گی۔ کیونکہ یہ حدیث شیعہ حضرات کی معتبر مذہبی کتاب اصول کافی کی ہے اور اصول کافی وہ کتاب ہے جو امام غائب علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔ اگر یہ حدیث صرف بخاری میں ہوتی تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں مانتے۔ مگر اصول کافی کی حدیث کا انکار تو آپ کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کافی کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔

**ثانیاً:** یہ ہم کہتے ہیں کہ حدیث لانورث نے حکم قرآن کو منسوخ کیا ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث لانورث نے یہ بتایا ہے کہ آیت یوحیکم اللہ کا خطاب صرف افراد امت کے لیے ہے حضور اس خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انبیاء



کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حدیث لانورث نے تو صرف حکم قرآن کی تفسیر کی ہے۔ منسوخ نہیں کیا ہے اور حدیث دوسرے کا قرآن کے اجمال و ابہام کی وضاحت کرنا اور اس کے مطالب و معانی کو بیان کرنا ایسا سدا ہے جس پر شیعہ سنی دونوں متفق ہیں۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اہل سنت حدیث لانورث کو قرآن کا ناسخ مانتے ہیں، افتراء محض ہے۔

سوال: اس حدیث کو بیان کرنے والے صرف ابو بکر ہیں۔ چونکہ وہ ایک فریق کی حیثیت میں ہیں اس لیے ان کی بات کیسے مان لی جائے۔

جواب: لیکن آپ کے سامنے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کون پیش کرتا ہے جو حدیث شیعہ کے مقابلے میں پیش کی جا رہی ہے وہ تو اصول کافی کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: انبیاء کو ام کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ (کافی)

لہذا حدیث زیر بحث کو آپ کو یہ کہہ کر نظر انداز کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ یہ تو ابو بکر کی روایت کردہ حدیث ہے۔ کیونکہ مخالف کے سامنے اسی کی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف حضرت ابو بکر ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو حضرت صدیق کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً علی رضی، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت عباس، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، ابو درداء، حذیفہ ایسے جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ نیز حضرت صدیق نے صحابہ میں اس حدیث کو پیش کر کے اور قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی ہے۔ ان میں حذیفہ تو وہ ہیں جن کے متعلق ملا عبد اللہ مشدیدی شیعہ نے اظہار الحق میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ:-

ما حدَّثکم بہ حدیثاً	حذیفہ تم سے جو حدیث بیان کرے اس
فصدّوا۔	کو تسلیم کر لو۔

حضرت علی سے بڑی شخصیت شیعہوں کے نزدیک اور کون ہو سکتی ہے جن کو شیعہ معصوم جانتے ہیں۔ غرضیکہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک کثیر جماعت روایت کر رہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے صرف ایک کا روایت کرنا مفید یقین ہے۔ پھر سب میں بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتب صحاح شیعہ میں موجود ہے۔ ایسی

صورت میں حدیث ہذا کی صحت میں کوئی شک ہی نہیں رہتا۔

اعتراض سوم: یہ حدیث احاد ہے اور خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔

جواب: اول تو یہ ہی غلط ہے کہ خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔ یہ حدیث جس میں ہم بحث کر رہے ہیں متواتر المعنیٰ ہے۔ درہم کم از کم مشہور ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنیٰ ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنیٰ ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے اور مشہور سے قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ ہم ایک اصولی بات یہ بھی بتا دیں کہ اگر بالفرض اس حدیث کے راوی صرف ابو بکر ہی ہوں تو بھی یہ حدیث ان کے حق میں متواتر بلکہ متواتر سے بڑھ کر ہی رہتی ہے۔ کیونکہ شیعہ سنی دونوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ متواتر اور غیر متواتر کی تقسیم ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضور اکرم کو دیکھا نہیں اور کسی صحابی سے حدیث روایت کر دی۔ لیکن جس شخص نے بلا واسطہ حضور اکرم سے حدیث سنی ہو تو اس کے حق میں وہ متواتر سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو بکر نے یہ حدیث خود بلا واسطہ حضور سے سنی تھی، اس لیے ان کو واجب تھا کہ اس پر عمل کرتے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اعتراض چہارم: تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب میراث کا جھگڑا چلا تو اس کے متعلق کسی کے پاس سے کوئی حدیث نہ ملی۔ صرف ابو بکر نے ہی اس حدیث کو بیان کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کے راوی صرف ابو بکر ہی ہیں۔

جواب: تاریخ الخلفاء ایک تاریخی کتاب ہے اس میں جو واقعات درج ہیں وہ قرآن و حدیث کی طرح نہیں ہیں۔ بر تقدیر صحت اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حدیث کا اظہار سب سے پہلے ابو بکر نے کیا اور یاد دلانے پر سب کو یاد آگئی۔ جس سے حضرت ابو بکر کا علم و حافظ ہونا بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر و عمر نے مجمع صحابہ سے اس حدیث کے متعلق قسم دے کر استفسار کیا تو سب نے یہی کہا کہ حضور نے یہی فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ جن میں حضرت عباس اور علی اور ان کے علاوہ ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ تھے جنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ ایسی صورت میں صرف ابو بکر کو اس



حدیث کا راوی کہنا بے علمی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۔ **اعتراض پنجم:** اس سلسلہ میں آخری اعتراض یہ کرتے ہیں۔ کافی میں یہ حدیث ابو البختری سے مروی ہے جو سنی ہے اور ہمارے کتب رجال میں اس کو کذاب کہا گیا ہے اس لیے جو منوع ہے۔  
**جواب:** شیعہ علماء کی یہ عادت ہے کہ جواب نہ بن پڑے تو یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تو سنی ہے۔ جیسا کہ لغت حریر کے حوالہ میں ابو حنیفہ کو سنیوں کا ابو حنیفہ کہہ دیا تھا۔ خیر اس کا جواب یہ ہے ابو البختری نامی دو ہیں۔ ایک ابو البختری ذؤب بن قُتب۔ یہ شیعہ ہے۔ دوسرا ابو البختری سعید بن فیروز ہے جو سنی ہے۔ مصنف کافی نے شیعہ ہی سے روایت کی ہے۔

ثانیاً۔ دوسری روایت میں جو کافی میں ہے۔ اس میں ابو البختری کا نام ہی نہیں ہے اور اس میں تو سب کے سب شیعہ راوی ہیں۔ آپ اس کو لے لیجئے اور دوسری کو چھوڑ دیجئے۔ الغرض اصول کافی میں یہ لفظ موجود ہیں۔

ان العلماء ورثة الانبياء -	علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وہ دہم و
لم یورثوا دسرها ولا دیناراً	و نیاں میں کسی کو وارث بناتے ہی نہیں
انما ورثوا احادیث من	وہ تو صرف اپنی احادیث میراث میں
احادیثهم۔	چھوڑتے ہیں۔

اور کلمہ انما جو حصہ کے لیے ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء کی میراث صرف علم دین ہے۔ مال نہیں ہے۔ ایسے صاف و صریح مسئلہ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ مانے تو اس کا علاج کچھ نہیں ہے۔ مگر نصوص سے آفتاب کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ انبیاء اپنی میراث میں مال و دولت چھوڑتے ہی نہیں اور ان کی میراث صرف علم ہوتا ہے! ایسی صورت میں غصب فک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہیں اُمید ہے کہ منصف حضرات ان تصریحات پر غور فرما کر حق کو قبول کرنے سے گریز نہ کریں گے۔

اس سلسلہ میں شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ فک مال مال فنی میں راشت جاری نہیں ہوتی | فنی سے تھا اور اس میں حضور اکرم کا حصہ بھی تھا۔ تبذ فاطمہ نے یہ ہی طلب کیا اور ابو بکر نے دینے سے انکار کر دیا۔

**جواب:** اگر فک کا مال فنی ہوتا شیعہ حضرات کو تسلیم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، تو

اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ مال فنی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اور فنی کے مصارف خود قرآن نے بیان کر دیے ہیں۔

<p>جو ہاتھ لگا دے اللہ تعالیٰ (بغیر جنگ) کے اپنے رسول کو بستی والوں سے تو وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں، یتیموں</p>	<p>لَمَّا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَارثًا السَّبِيلِ (سورہ حشر)</p>
---	--

اور مسافروں کے لیے ہے۔

یہ آیت مبارکہ اپنی تفسیر خود ہی بیان کر رہی ہے کہ مال فنی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ یہ وقف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عطا فرمائی تھی کہ حضور اس کی آمدنی کو یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری میں صرف فرمائیں۔ لہذا جب مذکور مال فنی سے تھا اور یہ حضور کی ذاتی ملکیت میں نہ تھا بلکہ آپ کی تولیت میں تھا تو مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اس آیت میں تقسیم سے مراد وہی تقسیم ہوتی ہے جو شیخ حضرات کہتے ہیں تو پھر نزول آیت کے بعد حضور اکرم کا یہ فرض تھا کہ آپ اپنی حیات ہی میں اس کو تقسیم فرما دیتے۔ لیکن شیخ سنی دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم نے اپنی حیات مبارکہ میں مذکور تقسیم کیا اور نہ کسی کو اس پر قبضہ دیا۔ بلکہ آپ اس کی آمدنی کو مصارف مذکورہ پر خرچ فرماتے رہے یعنی مذکور کے باغ سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو حضور اپنی ذات پر ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے۔ جو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ مذکور کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا۔ لہذا مال وقف میں میراث کیسے جاری ہو سکتی ہے۔

ثانیاً۔ اگر یہ کہا جائے کہ لام للرسول میں تمہیک کے لیے ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ اگرچہ لام تمہیک کے لیے بھی آتا ہے۔ مگر بیان تمہیک کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ اس مال فنی کے متوالی حضور اکرم میں اور آپ کو تقسیم کا اختیار رکھی ہے۔ اسی لیے اس آیت کے بعد فرمایا:-



مَا أَتَاكُمُ السُّؤَالُ فَخُذْهُ | رسول جو کچھ تم کو دیکھ اس کو قبول کرلو  
اس کے بعد قرآن پاک نے یہ بھی تصریح کی کہ یہ مال فہی وہ مال ہے جو اللہ نے اپنے خاص فضل  
سے رسول کو عطا فرمایا ہے۔ اس میں مجاہدین کی کوششوں کو کچھ دخل نہیں ہے

أَفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِمْ | جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو  
فَمَا أَؤْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ | ان سے تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے  
وَلَا ذِكَاپٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ | دوڑائے اور نہ اونٹ۔ ہاں اللہ قابو میں  
عَلَى مَنْ يَشَاءُ۔ | دے دیتا ہے اپنے رسولوں کے جس کو چاہتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مال فہی وہ مال غنیمت ہے جو بلا جنگ و جدال ہاتھ آتا ہے  
اور اس کے مصرف خود قرآن نے بیان کر کے یہ بتا دیا کہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے۔  
کیونکہ اگر یہ مال رسول اکرم کی ملکیت میں آیا جاتا تو محتاجوں اور مسافروں کو اس میں شامل نہ کیا جاتا۔ دوسری  
بات یہ ہے کہ اگر لام للرسول میں تمہیک کے لیے ہے تو ولذی الفقہ فی دالیتامی والمساکین میں بھی  
تمہیک کے لیے ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال مذکور مال فہی سے ہے اور مال فہی  
وقف ہوتا ہے اور وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لہذا فہی کی اس طرح کر سیدنا صدیق اکبر پر جو طعن کیا  
گیا ہے وہ بھی رفع ہو گیا۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ | شیعہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر انبیاء  
کا مالی ترکہ تقسیم نہیں ہوتا تو حضرت داؤد کے  
حق میں قرآن نے یہ کیوں فرمایا :-

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ۔ | وارث ہوئے سلیمان داؤد کے

معلوم ہوا کہ انبیاء کی میراث جاری ہوتی ہے۔ جواب : اس آیت میں نبوت و بادشاہت  
کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمان کو وراثت علمی علیٰ حقہی مالی نہیں۔ چنانچہ اس کے لائل یہ ہیں۔  
اولاً اہل تاریخ کا اجماع ہے کہ حضرت داؤد کے تقریباً ۹۰ فرزند تھے اور قرآن نے یہ بتایا

کران میں سے صرف حضرت سلیمان کو میراث ملی اور باقی افراد محروم رہے تو اگر یہاں میراث سے مالی میراث مراد ہوتی تو ان کے تمام فرزندوں کو ملتی چاہیے تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں میراث سے علم اور نبوت مراد ہے جو حضرت سلیمان کو تو ملی مگر ان کے دوسرے بھائی محروم رہے۔

ثانیاً۔ یہاں اگر میراث سے مالی میراث مراد لی جائے تو کلام الہی کا لغویت پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کی میراث پاتا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ایسی صورت میں قرآن کا یہ خبر دینا کہ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے بالکل لغو ہے۔ اور کلام الہی لغویت سے پاک ہوتا ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں میراث علمی ہی مراد ہے۔

ثالثاً۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کے فضائل و مراتب کا اظہار کیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد وراثت مالی ہو تو یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ میراث تو آخر سبھی کو ملتی ہے۔ اس میں حضرت سلیمان کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لیے یہاں میراث سے مراد علمی میراث ہی ہے۔ اور اسی بات کو قرآن نے مقام مدح میں بیان کر کے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت داؤد کے ۱۹ بیٹوں میں سے یہ شرف صرف حضرت سلیمان ہی کو حاصل ہوا کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور انھوں نے اپنے والد داؤد کی میراث نبوت کو پالیا۔ چنانچہ آیت زیر بحث کے آخری جملے ان لفظوں الفاضل المبین کی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نبوت اور بادشاہت سے کی ہے۔ (تفسیر صافی جلد دوم ص ۷۷) امام جعفر کی اس تفسیر سے واضح ہوا کہ اس آیت میں نبوت و بادشاہت کی میراث مراد ہے۔ مالی میراث مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تائید آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وارث ہوئے سلیمان داؤد کے۔ پھر  
کہا سلیمان نے اے لوگو! ہمیں جانوروں  
کی بولی سکھائی گئی ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَّمْنَا مَنَطِقَ  
الطَّيْرِ۔

اور اللہ نے ہمیں ہر چیز کا علم دیا ہے۔ آیت کا یہ حصہ بھی اس امر پر دلیل قاطعہ ہے کہ حضرت سلیمان نے داؤد کی میراث میں علم اور نبوت ہی پایا تھا۔

۱۔ کیونکہ قرآن نے کہا ان لفظوں الفاضل المبین۔ یہی واضح فضیلت ہے۔



والجاء۔ قرآن پاک میں وراثت کے لفظ کا علم کی میراث میں استغفال ہونا بالکل ظاہر ہے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- (حکایت عن زکریا)

<p>مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے پاس سے ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھائے وہ میرا جانشین ہو، اور اولاد لعقوب کا وارث ہو۔</p>	<p>وَلَا تَخَفْ خُفْتُ الْمَوْلَىٰ مِنْ وَرَائِي وَكَاثِبٌ امْدَاقِي عَاقِدًا فَهَبْ لِي مِثْلَ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔</p>
--	---

دیکھیے حضرت زکریا دعا کرتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے قرابت دار چونکہ شریعہ میں  
وہ دین میں مضطرب ہیں گے اور میری تعلیم جاری نہ رہ سکے گی تو اے رب مجھے ایسا نبی عطا فرما، جو  
میرا وارث اور آل لعقوب کا وارث ہو۔ یہاں بھی وراثت سے علم و نبوت ہی مراد ہے۔ کیونکہ  
حضرت زکریا حضرت لعقوب سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔  
کیا ہزار ہا سال سے بنی اسرائیل کی جائیداد غیر منقسم پڑی تھی جس کی وراثت حضرت یحییٰ کو ملنی تھی؟  
اور کیا انبیاء کرام کا اپنے جانشین کے لیے دعا نگہتا مال کی وراثت کے لیے ہوتا ہے۔ پس ثابت  
ہوا کہ یہاں بھی وراثت سے علمی وراثت ہی مراد ہے۔

خاصاً۔ اس امر کی توثیق شیعہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے  
امام جعفر صادق نے فرمایا:-

<p>کہ حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث ہوئے اور سلیمان داؤد کے اور محمد سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم لوگ وارث ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔</p>	<p>قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ دَاوُدَ وَرِثَ عِلْمَ الْأَنْبِيَاءِ وَدَانِ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَإِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَأَنَا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا۔</p>
---	---

حضرت امام جعفر نے تو فیصلہ ہی فرمادیا کہ حضور اکرم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔ ظاہر ہے  
کہ حضور اکرم کو حضرت سلیمان کی میراث میں کوئی مال نہیں ملا تھا۔ بلکہ علم اور نبوت ہی ملی  
تھی۔ حضور اکرم حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضرت سلیمان حضرت اسحاق کی۔ جس کا نقشہ یہ ہے۔

# حضرت ابراہیم

حضرت اسحاق

حضرت اسماعیل

یعقوب

حضور اکرم

صلی اللہ

علیہ وسلم

یوسف وغیرہ

لاوی

حضرت موسیٰ و ہارون

یوشع بن نون

داؤد

سلیمان

زکریا

یحییٰ

مریم و عیسیٰ علیہ السلام

نوٹ:- اس نقشہ میں نظر اختصار صرف نسب بنی نسبت ظاہر کی گئی ہے اور درمیانی واسطوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

غرضیکہ حضور حضرت اسماعیل کی اولاد میں اور سلیمان حضرت اسحاق کی پھر ان ہر دو کی درجنوں پشتیں گزری ہیں۔ اور اٹھارہ سو سال کا زمانہ ہے اگر اس سے میراث مالی مراد لی جائے تو سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان کے خاندان میں کوئی ایسا شخص نہیں رہا تھا کہ بنی اسرائیل کا مال بطور وارثان بازگشت بنی اسماعیل کو ملا۔ اور پھر بنی اسماعیل میں سے بھی دوسروں کو محروم کر کے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اس تشریح سے آفتاب نمبر و زکی طرح واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث میں انبیاء کے متعلق جہاں وراثت کا ذکر ہے۔ اس سے علم و نبوت ہی کی میراث مراد ہے۔ اور انبیاء و کسی کو اپنا وارث بناتے ہی نہیں ہیں۔ اور اب تو یہ سدا اصول کافی سے ثابت ہو گیا ہے۔ اگر اب بھی یہ حضرات ضد کریں تو اس کا علاج واقعی کچھ نہیں ہے۔

جب یہ لوگ ہر طرح لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر کیا حضور نے فدک سیدہ کو مہر کر دیا تھا؟ فدک کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ فدک حضور نے سیدہ کو مہر کر دیا تھا۔ اور سیدہ نے بوقت دعویٰ حضرت علی اور ام المین کو گواہی میں پیش کیا اور ابو بکر نے یہ



کہہ کر کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قبول نہیں ہوتی، دعویٰ خارج کر دیا تھا۔

**جواب:** جناب سیدہ کی طرف سے ہبہ کا دعویٰ کرنا اور اس پر علی و امین کا گواہی دینا اہل سنت کی معتبر کتاب میں با سند صحیح موجود نہیں ہے۔ یہ تو حضرات شیعہ نے ایک فرضی افسانہ تصنیف کیا ہے جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پاؤں اور جب تک کتب اہل سنت کی صحیح روایت سے یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک اس فرضی افسانہ کے جواب کی ہم فریاداری نہیں عالم ہوتی اور جب یہ افسانہ ہی فرضی ہے تو اس کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر پر جو بھی الزام قائم کیا جائے گا وہ خود بخود باطل ہو جائے گا۔ خیر یہ تو ہے اصولی جواب۔

**ثانیاً۔** شرح ابن الحدید جو شیعہ کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغہ کی شرح ہے اس میں ایک ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب سیدہ نے فدک طلب کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، تم میرے نزدیک صادق اور امین ہو۔

اگر حضور نے تم سے فدک کے معاملے	قَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ لَمَّا طَلَبْتَ فِدَكَ
میں کوئی عہد یا وعدہ کیا تھا تو میں اس	بَابِي وَأُمِّي أَنْتِ الصَّادِقَةُ الْأَمِينَةُ
کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور	عِنْدِي إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
فدک تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تو سیدہ	اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدًا أَلَيْكَ عَهْدًا
نے فرمایا حضور نے مجھ سے فدک کے	وَوَعْدًا وَعَدًا صَدَقْتَكَ وَسَلَّمْتَ
معاملے میں کوئی عہد نہیں فرمایا۔	أَلَيْكَ فَقُلْتَ لَمْ يَعْهَدْ إِلَيَّ فِي فِدَكَ.

(شمس محمد ابن الحدید)

۵

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ ہبہ فدک کا جو افسانہ تصنیف کیا گیا ہے وہ خالص جھوٹ پر مبنی ہے۔ جب سیدہ خود فرما رہی ہیں کہ فدک کے متعلق حضور نے مجھ سے کوئی عہد اور وعدہ نہیں کیا تو ایسی صورت میں یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا۔ معلوم ہوا یہ افسانہ ہی سرے سے جعلی اور فرضی ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ فدک کے متعلق حضور نے وصیت بھی نہیں فرمائی تھی۔ اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً اس کا اظہار فرمادیتیں۔ ثالثاً فدک حضور نے سیدہ کو ہبہ نہیں کیا

کر سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ فرمایا۔ اس کے برعکس مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز حاکم ہوئے تو انہوں نے مروان کے رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا کہ فدک حضور کے قبضہ میں تھا۔ حضور اس کی آمدنی کو اپنی ذات پر، بنی ہاشم کے صغیروں پر خرچ فرماتے تھے اور بے شوہر عورتوں کے نکاح بھی اس کی آمدنی سے کرا دیتے تھے۔

وَرَأَى فَاطِمَةَ سَأَلَتْ أَثَّ  
يَجْعَلُهَا فَاثِي۔

اور تحقیق سیدہ فاطمہ نے یہ درخواست  
کی کہ حضور فدک انہیں عطا فرما دیں  
تو حضور نے انکار کر دیا۔

(ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ص ۵)

پھر جب حضور کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر دغمنے فدک میں وہی عمل کیا۔ جو حضور کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اب یہ فدک مجھ تک پہنچا ہے۔ حضور نے فدک فاطمہ کو نہ دیا تو جو چیز حضور نے فاطمہ کو نہ دی مجھے بھی اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔

میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں کہ میں فدک  
کو (مروان کے رشتہ داروں) سے  
واپس لے کر اسی حالت میں واپس  
کرتا ہوں جس حالت میں حضور نے مانہ میں۔

وَأَنِّي أَشْهَدُكُمْ أَنِّي رَدَدْتُهَا عَلَى  
مَكَانَتِ يَعْنِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔  
(مشکوٰۃ بالفتح)

غرضیکہ کتب صحاح اہل سنت میں ہبہ فدک کی کوئی روایت ہی نہیں ہے۔ اسی صورت میں شیعوں کا اپنی مذہبی کتب سے روایات پیش کر کے ہم پر الزام قائم کرنا اصول منظرہ کے خلاف ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ ہم نے شرح نہج البلاغۃ کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے اس میں یہ ہے کہ حضور نے سیدہ سے فدک کے متعلق کوئی وعدہ یا عہد فرمایا ہی نہیں تھا۔

رابعاً۔ اگر بالفرض والمحال تسلیم کر لیا جائے کہ حضور نے سیدہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا تو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری تھی۔ جیسا کہ قرآن کا حکم ہے۔ لیکن جناب سیدہ نے شہادت کا نصاب کامل پیش نہیں فرمایا۔ اسی صورت میں فیصا سیدہ کے حق میں کیسے ہوتا۔ حضرت ابوبکر بحکم قرآن مجبور تھے۔ بتائے اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ اگر انھوں نے دعویٰ رد بھی کر دیا تو قرآن کے حکم کے مطابق کیا۔ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کیا۔



خاصاً۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ فداک سیدہ کو بہت تھا۔ تو یہ مذہبی شیعہ سنی دونوں کا متفقہ ہے کہ جب تک محبوب پر محبوب لڑا کا قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک بہت تمام نہیں ہوتا۔ مثلاً زید نے ایک قطعہ زمین بکر کو سپرد کر دیا، مگر قبضہ مالکانہ نہ دیا۔ اب زید مر جائے اور بکر بہت کا دعویٰ کرے تو بکر کا یہ دعویٰ باطل ہوگا۔ یہی صورت فداک کی ہے اور شیعہ سنی دونوں متفق ہیں کہ فداک کو حضور نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے قبضہ و تصرف ہی میں رکھا۔ اور کسی کو اس کا قبضہ نہیں دیا۔ جب یہ امر مسلم ہے تو حضرت ابو بکر نے بھی یہی فرمایا کہ مجھ کو بہت دلیل ملکیت نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ تصرف اور قبضہ ثابت نہ ہو جائے۔ اور سیدہ نے یہ ثابت نہیں فرمایا کہ فداک حضور نے اپنی حیات میں میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ بتائیے اس میں حضرت ابو بکر نے کیا ظلم کیا۔ کیا قانون اسلامی پر عمل کرنا جرم ہے؟ کیا قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد اب اس پر غور کیجئے کہ اگر بالفرض سیدہ نے دعویٰ فرمایا کہ

۱۔ فداک حضور نے مجھے سپرد کر دیا تھا۔  
۲۔ حضرت علی و ائمہ امین نے بالفرض گواہی دے دی کہ ہاں بہت کیا تھا۔  
(سیدہ کے دعویٰ کے لفظ ذہن میں رکھیے)

۳۔ لیکن سیدہ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ حضور نے بہت کرنے کے بعد فداک میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ اور گواہان نے بھی اس امر کی گواہی نہ دی۔

ایسی صورت میں شیعہوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر نے گواہی رو کر دی یہ ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ گواہی کو رو کرنا اور چیز ہے اور گواہی پر فیصلہ دینا اور بات ہے۔ بعض اوقات گواہ جس بات کی گواہی دے رہے ہوں وہ واقعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہے۔ مگر قاضی اس پر فیصلہ دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اور انصاف کیجئے۔ حضرت ابو بکر نے سیدہ کے دعویٰ یا گواہوں کی گواہی کو رو نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ سیدہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ آپ نے تو ایک قانونی حکمت سامنے رکھ کر سیدہ سے یہ فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور نے فداک آپ کو سپرد کر دیا تھا۔ مگر قانون یہ ہے کہ بہت قبضہ و تصرف کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ اور آپ صرف بہت کا دعویٰ فرماتی ہیں قبضہ و تصرف کا نہیں؟ ایسی صورت میں آپ کے حق میں کس طرح فیصلہ دے دوں

اور اسلام کے قانون کو کیسے پس پشت ڈال دوں ۔

الغرض اس بات پر شیخ سنی دونوں متفق ہیں ۔

۱۔ حضور اکرم نے اپنی حیات میں فذک اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا۔ اور آپ خود اس کی آمدنی سے خرچ فرماتے تھے ۔

۲۔ فذک حضور کی حیات مبارکہ میں جناب سیدہ کے قبضہ و تصرف میں نہیں تھا ۔

۳۔ جب تک محبوب چیز محبوب لڑکے تصرف میں نہ دے دی جائے اس وقت تک ہر بات میں نہیں ہوتا ۔

جب یہ باتیں دونوں فریق کے نزدیک مسلم ہیں تو اب صدیق اکبر پر طعن کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہا۔ کیونکہ ابوبکر نے قانون اسلامی پر عمل کیا اور جناب سیدہ سے فرمایا کہ آپ کا دعویٰ تو صحیح ہے مگر یہ قانون ہے اس لیے اب آپ ہی بتائیے کہ فیصلہ آپ کے حق میں کیسے کر دیا جائے ۔

حضرت فاطمہ کی ناراضگی ؟  
معتز حنین کا آخری وار۔

اگرچہ مذکورہ بالا تحریر سے فذک کا ہر پہلو سلج گیا ہے اور ایک منصف کے لیے تو یہ گنجائش ہی نہیں رہی ہے کہ وہ ان حقائق کے بھتے ہوئے سیدنا صدیق اکبر کی قسم کا طعن کرے ۔ مگر آخر میں ہم اس کے متعلق مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے ۔ شیخ حضرات جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر سب سے بڑا اور سب سے اہم یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ ابوبکر کا جواب سن کر سیدہ ناراض ہو گئیں اور جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہیں کیا ۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو جناب امیر نے رات کو ان کو دفن کر دیا اور ابوبکر کو اس کی اطلاع بھی نہ دی ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتب صحاح اہل سنت میں جناب سیدہ کی زبان سے ان کا ناراض ہونا

ہرگز ہرگز منقول نہیں ہے ۔ ناراضگی دل کا فعل ہے جب تک زبان سے ظاہر نہ ہو دوسرے شخص کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی ۔ البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے ۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو سکتی ہے تو جب سیدہ کی زبان سے ابوبکر کی شکایت ثابت ہی نہیں ہے تو پھر اعتراض کیا ؟

ثانیاً۔ بخاری کی جس روایت سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت سیدہ



نے جناب ابوبکر سے مذکور ہاں گاتو حضرت ابوبکر نے اس کے جواب میں رسول کریم کی حدیث سنادی گویا صدیق اکبر نے یہ فرمایا کہ آپ تقسیم مذکور کا سلب فرماتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وراثت نہیں بناتے جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ مذکور تقسیم کیسے ہو۔ بس یہ ہے وہ زبانی گفتگو جو جناب سیدہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان ہوئی۔ سیدہ نے حدیث سن لی اور خاموش ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر نے حدیث سنانے کے بعد اس پر عمل کرنے کا عہد فرمایا۔ اس حدیث کی راوی حضرت عائشہ ہیں وہ سیدہ اور ابوبکر کی زبانی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اپنے تاثرات اس طرح ظاہر فرماتی ہیں۔

پس ناراض ہوئیں فاطمہ اور اس قصہ  
وراثت میں حضرت صدیق سے گفتگو کرنی  
تک کر دی جتنی کہ آپ کا وصال ہو گیا  
آپ حضور کے بعد چھ ماہ حیات رہیں۔

فغضبت فاطمة وهجرت  
ابا بكر فلم نزل مهاجرة  
حتى توفيت وعاشت بعد رسول  
الله سنة اشهر (بخاری)  
بخاری کی دوسری روایت کے لفظ یہ ہیں:-

پھر گفتگو نہ کی حضرت فاطمہ نے مذکور کے  
معاملہ میں جتنی کہ انتقال کر گئیں۔

وهجرت فاطمة ولم تكلمه  
حتى ماتت۔

بخاری کی دونوں روایتیں ہم نے سن وعن آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ شیعہ انہیں سے یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہو گئیں اور پھر وفات تک آپ نے ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایت بخاری سے یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں:-

اول۔ بخاری و مسلم و صحاح کی روایات میں غضبت یا ہجرت کے جو الفاظ ہیں وہ حضرت سیدہ کی زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت میں یہ مذکور ہے کہ سیدہ نے اپنی زبان مبارک سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ بلکہ یہ الفاظ راوی کے اپنے تاثرات ہیں جو اس نے واقعات سے اخذ کئے ہیں۔ صحاح کی کسی روایت سے سیدہ کا اپنی زبان سے اظہار ناراضگی فرمنا ثابت ہی نہیں ہے۔  
دوم۔ یہ امر مسلم ہے کہ راوی حدیث ایک واقعہ سے جو نتیجہ نکالتا ہے اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ ظاہر واقعہ میں دیانت داری کے ساتھ ایک نتیجہ نکالتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نتیجہ غلط ہو۔

یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جب راوی نے یہ دیکھا کہ سیدہ نے فذک مانگا اور حضرت ابو بکر  
 نے حدیث سنادی اور حدیث سن کر سیدہ خاموش ہو گئیں اور پھر ابو بکر سے بات نہ کی تو اس نے  
 اس واقعہ سے نتیجہ نکالا کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے ناراض ہو جانے کی وجہ سے خاموش ہوئی  
 ہوں گی۔ چنانچہ اس نے اپنے تاثرات کو انہیں الفاظ میں بیان کر دیا کہ حضرت فاطمہ ناراض ہو گئیں  
 حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خاموش ہو جانا یا ترک کلام کرنا ناراضگی ہی کی بنا پر ہو۔ یہ بھی تو ہو  
 سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ حدیث سن کر مطمئن ہو گئیں۔ اس لیے خاموش ہو گئیں۔ اور پھر چونکہ ان کو  
 فذک کے معاملہ میں مزید گفتگو کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے سیدہ نے اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ فرمائی  
 چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات شیعہ سنی دونوں کے راویان حدیث میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک  
 بار اکثر صحابہ کرام نے حضور کی ایک حالت سے نتیجہ نکالا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی  
 ہے اور یہ واقعہ مشہور ہو گیا مگر جب فارق اعظم نے حضورؐ سے تحقیق کی تو آپ نے فرمایا میں نے طلاق  
 تو نہیں دی۔ دیکھئے مسجد نبوی میں صحابہ کرام جمع ہیں اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ نے طلاق دے  
 دی ہے۔ مگر جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کا قیاس تھا تو جس طرح  
 حضور کی خلوت نشینی سے صحابہ نے یہ قیاس کیا کہ آپ نے طلاق دے دی ہے حالانکہ طلاق نہیں  
 دی تھی۔ بلکہ صرف علیحدگی اختیار کی تھی۔ ٹھیک اسی طرح فذک کے معاملہ میں راوی نے ترک کلام  
 اور سیدہ کی خاموشی سے ناراضگی کا استنباط کر لیا حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا۔ کیونکہ ترک کلام ایسی چیز نہیں ہے  
 جس کی علت ضرور ناراضگی ہو اور پھر حضرت سیدہ کا حدیث سن کر ناراض ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ کون  
 مسلمان ہے جو حدیث رسولؐ سن کر ناراض ہو جائے۔ چہ جائیکہ سیدہ ناراض ہوں۔ اور راوی حدیث  
 کا کسی واقعہ سے قیاس کرنا اور اس کا قیاس غلط ہو جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو راوی کی دانت  
 و امانت یا عدالت و تقاضا کو مجروح کر سکے۔ کیونکہ قیاس میں یا اندازہ میں جو غلطی ہوتی ہے اس  
 میں غلطی کا قصد نہیں ہوتا۔

غرضیکہ صحاح کی روایت سے جو بات ثابت ہو سکتی وہ صرف اس قدر ہے کہ راوی حدیث کا  
 اندازہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے ناراض ہو گئیں۔ لیکن ہر اہل عقل اور منصف صرف اس  
 اندازہ کو قطعی اور یقینی قرار نہیں دے سکتا۔ لہذا ایسی صورت میں صحاح کی روایت سے شیعہ حضرات کا



یہ شبہ پیدا کرنا کہ سیدہ فقیہا حضرت صدیق اکبر سے ناراض ہو گئی تھیں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب صحاح کی روایت سے یہ امر یقین کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ سیدہ صدیق اکبر کے ساتھ ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں صدیق اکبر پر زبان دراز کرنے کی کیا گنجائش ہے۔

سوم۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری مسلم و ترمذی وغیرہ میں جو وہ جگہ حدیث مذکور ہے جن میں سے چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقاموں میں ناراضگی کا تذکرہ ہی نہیں ہے پھر حدیث مذکور اصل صرف نین صحابہ سے مروی ہے حضرت عائشہ، ابوالطفیل، ابوسہرہ، جس میں صرف حضرت صدیقہ سے عروہ بن زبیر کے واسطے سے ابن شہاب زہری جو روایت کرتے ہیں، اس میں ناراضگی کا ذکر ہوتا ہے لیکن ابن شہاب زہری بھی ہمیشہ ناراضگی کا فقرہ نہیں بیان کرتے۔ کسبھی بیان کرتے ہیں اور کسبھی نہیں۔ چنانچہ ذیل کے مقامات میں ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ زہری اس میں بھی ہیں:-

بخاری جلد اول کتاب الجہاد و باب فرض الخمس۔

بخاری جلد دوم کتاب المناقب باب قرابتہ رسول اللہ۔

بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب عروہ خبیر۔

بخاری کتاب الفرائض۔

اسی طرح ابوداؤد میں تین جگہ ترمذی میں مرت ایک جگہ اس حدیث کا ذکر آیا ہے۔ مگر وہاں بھی ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ غرضیکہ جو وہ مقامات میں سے صرف چار مقام پر ناراضگی کا ذکر ہے اور وہ بھی حضرت سیدہ کی زبان سے نہیں بلکہ راوی کا اپنا تاثر ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید و توثیق کرتی ہے۔

چہارم۔ اصل اقتع پر دیانتداری کے ساتھ غور کیا جائے تو بھی ہمارے مذکورہ بالا نظریہ کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے۔ سیدہ نے مذکورہ ناگوار صدیق اکبر نے حدیث سنا دی۔ حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا کوئی بھی تو ایسی بات نہ تھی جس پر سیدہ ناراضگی کا اظہار فرماتیں خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حضرت ابوبکر حدیث سنا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کبر ہے ہیں۔

انہی اکھ ال محمد فی ہذا المال (مسلم شریف) ہاں فدک کا مال آل محمد پر ضرور پہنچا گا۔

دیکھئے صدیق اکبر فدک کی آمدنی آل محمد پر صرف کرنے سے انکار نہیں فرما رہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں  
فدک میں میراث تو حکم نبوی کی بنا پر جاری نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آل محمد پر ضرور صرف  
کی جائے گی جس سے اس شعبہ کی بنیاد بھی اڑ گئی کہ ابو بکر نے فدک غصب کر لیا یا سیدہ  
کو محروم کر دیا غصب یا محروم کر دینے کا لفظ تو اس وقت بولا جاسکتا ہے جبکہ صدیق اکبر یہ  
فرماتے کہ۔ ”نہیں فدک تقسیم کرتا ہوں اور نہ اس کو آمدنی آل محمد کو دیتا ہوں۔“

اگر صدیق اکبر فیصلہ کرتے تو بے شک ان پر الزام آ سکتا تھا۔ مگر انھوں نے تو یہ فرمایا کہ  
کہ فدک کی تقسیم تو حکم نبوی کی رو سے نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آل محمد پر صرف ہو گی۔  
اور جس طرح حضور اکرم فدک میں عمل کرتے تھے۔ اسی طرح میں بھی کریں گا چنانچہ مسلم کے لفظ ہیں۔

ان بخلافک جس حال میں رسول کے  
زمانہ میں تھا میں اس میں قطعاً تغیر  
نہیں کروں گا اور جو عمل رسول کریم صلی  
اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی میں کروں گا۔

وانی واللہ لا اغیر شیئاً من صدقۃ  
رسول اللہ عن حالہا الذی کان  
علیہا فی عہد رسول اللہ ولا  
عملن بما عمل رسول اللہ (مسلم شریف)

ان صان و صریح الفاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر نے فدک کی آمدنی دینے سے قطعاً انکار نہیں  
فرمایا تو ایسی صورت میں نہ تو غصب فدک کا الزام قائم ہو سکتا ہے اور نہ سیدہ فاطمہ ایسے معقول و حیا  
کو کس کز ناراض ہو سکتی ہیں کیونکہ حدیث رسول اللہ سے سیدہ کا ناراض ہونا ہی ناممکن ہے۔

اس سے کہ علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قضیہ فدک میں سیدہ کا راضی ہونا اور جناب  
صدیق اکبر کے عمل سے خوش ہو جانا خود کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہاں کی  
وینتداری ہے کہ ناراضگی کی روایت کو تو اچھالا جائے اور رضا مندی کی روایتوں کو چھپا لیا  
جائے۔ پس جب قضیہ فدک میں سیدہ کا حضرت ابو بکر سے راضی ہونا اظہر من الشمس ہے  
تو پھر حضرت ابو بکر پر طعن کی کیا گنجائش ؟

پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جناب سیدہ فاطمہ صلوات اللہ  
سیدہ کا جناب علی پر ناراض ہونا علیہا حضرت علی مرتضیٰ سے بھی ناراض ہو جایا کرتی تھیں



ایک بار نہیں متعدد بار ناراض ہوئی ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کراچی، چنانچہ جلال الدین کے صفحہ ۱۶ پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ جناب سیدہ حضرت علی سے ناراض ہوئیں تو حسن اور حسین اور ام کلثوم کو ہمراہ لے کر اپنے میکے چلی آئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کبھی آپ حضرت علی پر اس قدر شدید طور پر ناراض ہوتی تھیں کہ جناب امیر کو سخت سست بھی کہہ دیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ کتاب حق المستغنی کے صفحہ ۲۳۲ پر مرقوم ہے کہ جناب سیدہ نے ایک دفعہ ناراض ہو کر حضرت علی سے یہ جملے کہے تھے۔

مانند جنیں در رحم پرودہ نشیں شدہ و  
 مثل خائباں در خاندہ گر بخیمہ۔  
 بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ  
 گئے اور مثل نارادوں کے گھر میں بیٹھ گئے۔

غرضیکہ جناب سیدہ کا علی مرتضیٰ سے ناراض ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور شیعہ سنی دونوں کی معتبر مذہبی کتب میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے سیدہ کا جناب علی پر ناراض ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جناب سیدہ کی علی مرتضیٰ سے جو ناراضگی ہوتی تھی وہ وقتی اور عارضی ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ راضی بھی تو ہوجاتی تھیں۔ تو ہم کہیں گے کہ اول تو سیدہ کا اپنی زبان سے جناب ابوبکر پر ناراض ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ اور اگر راوی کے تاثر کو صحیح مان کر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی کیونکہ شیعہ سنی دونوں کی معتبر کتب سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ سیدہ حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئی تھیں تو جب بات یہ ہے تو ایسی صورت میں سیدہ ابوبکر پر طعن کیوں؟

اور اگر بالفرض والمحال ہم یہ مان بھی لیں کہ جناب سیدہ ابوبکر کیا سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئیں  
 پر یہی ناراض ہوئی تھیں تو بھی حضرت ابوبکر پر کوئی الزام قائم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے تو حدیث سنائی تھی جو ان کا فرض تھا۔ اب اگر اس بات پر سیدہ ناراض ہو جاتیں تو ابوبکر کا اس میں کیا قصور ہے۔ کیا حضرت ابوبکر سیدہ کی خاطر حضور سید المرسلین کے حکم پر عمل نہ کرتے؟ حالانکہ یہ مسلم ہے کہ جب حکم رسول طریقہ صحیح سے مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور اس کو ماننا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ خواہ وہ اہل بیت سے ہو یا کوئی اور۔ حکم رسول پر تو سب کو گواہی دینا واجب ہے۔ الغرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں تو

خود سیدہ پر الزام آتا ہے کہ وہ حدیث رسول ﷺ کو بگڑ گئیں! اور یہ بات سیدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ لہذا ماننا چاہیے گا کہ حضرت فاطمہ حدیث ﷺ کو ناراض نہیں ہو سکتیں اور روایات میں غضب و غصہ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ راوی کے اپنے تاثرات ہیں حضرت فاطمہ کی زبان اقدس کے کلمات نہیں ہیں۔

ثانیاً۔ ان تمام بحثوں کو چھوڑ کر فرض کیجئے۔ سیدہ ابوبکر پر ہی ناراض ہوئیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب خود حضور سے حدیث لاؤرت سنی تھی۔ کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حکم نبوی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کا کیا فرض تھا۔ آیا ان کو جائز تھا کہ سیدہ کو خوش کرنے کے لیے حدیث رسول کو پس پشت ڈال دیتے۔ ہمارے خیال میں کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدہ کو راضی رکھنے کے لیے ابوبکر کو حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ جب یہ بات مسلم ہے تو پھر ابوبکر پر کیا الزام؟

ثالثاً۔ یہاں ہم اس امر کی وضاحت بھی کر دیں کہ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ ہم کہتے ہیں یہ بات حق ہے مگر سوال یہ ہے کہ ایذا کا مفہوم کیا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص حدیث پر عمل کرے تو اس سے سیدہ کو حقیقتاً ایذا پہنچ سکتی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اگر بالفرض سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی ہوں تو ان کا فعل تھا۔ ابوبکر نے ان کو ہرگز ناراض نہیں کیا۔ انھوں نے تو صرف حدیث سن کر اس پر عمل کیا تھا اور اس سے حقیقتاً سیدہ کو ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ لہذا اس وعید میں ابوبکر کو داخل ہی نہیں کیا جاسکتا۔

رابعاً۔ اگر شیعہ حضرات اس پر اصرار کریں کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ سیدہ ضرور ابوبکر ہی پر ناراض ہوئی تھیں اور فاطمہ کی ناراضگی سے حضور کو ایذا پہنچتی ہے تو ہم کہیں گے ذرا سنبھل کر بات کیجئے اگر شیعوں کے ہاں ایذا کا یہی مفہوم ہے تو حضرت علی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اور وہ یوں کہ کتب شیعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ سیدہ فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہو جایا کرتی تھیں اور اتنی سخت ناراض ہوتی تھیں کہ شدت غضب میں آپ کو برا بھلا کہہ دیتی تھیں (معاذ اللہ) جیسا کہ حق النضین (شیعوں کی کتاب) کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی سے سیدہ کو کوئی ایذا پہنچتی تھی جیسی تو وہ ناراض ہوتی تھیں۔ تو اگر مطلقاً سیدہ کی ناراضگی سے حضور اکرم کو ایذا پہنچتی ہے تو یہاں بھی پہنچنی چاہیے اور جب بھی اور جس وقت بھی فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہوتی ہوں فوراً حضور بھی ناراض ہو جائے چاہئیں۔ پھر اس بنیاد پر جو الزام قائم ہو گا وہی حضرت علی پر بھی عائد ہو جائے گا۔ شیعہ حضرات ذرا اس امر پر انصاف و دیانت



کے ساتھ غوراً برمالیں۔

خدا امسا۔ اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علی وفاطہ کی شکر نہی اور ناراضگی اگر ہوتی ہوگی تو وہ عارضی ہوتی تھی۔ یہیے میاں بیوی میں بعض اوقات ہو جایا کرتی ہے تو اس کے لئے ہمارے پاس دو نہایت ہی معقول جواب ہیں۔

۱۔ اولے آپ نے تسلیم کر لیا کہ عارضی ناراضگی حقیقی ایذا پر مشتمل نہیں ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص حضرت فاطمہ کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائے وہ حضور اکرم کو ایذا پہنچانے والا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ حدیث نبوی پر عمل کرنے سے سیدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچی اور حضرت ابو بکر نے حدیث پر عمل کر کے سیدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچائی تو نتیجہ یہ نکلا کہ سیدہ حضرت ابو بکر سے حقیقی طور پر ناراض نہیں ہوئیں بلکہ ایسے ہی عارضی طور پر ناراض ہوئیں۔ جیسے حضرت علی سے ہو جایا کرتی تھیں۔

دوم یہ کہ جیسے عارضی طور پر سیدہ حضرت علی سے ناراض ہو جاتی تھیں اور پھر خوش بھی ہو جاتی تھیں۔ تو اسی طرح ابو بکر سے بھی سیدہ عارضی طور پر اس وقت ناراض ہو گئی تھیں مگر بعد میں راضی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم نے کتب شیعہ سے "فدک کی تاریخ" کے عنوان میں ثابت کیا ہے۔ پس جب فضیہ فدک میں سیدہ کا ابو بکر سے راضی ہو جانا کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے تو ایسی صورت میں آپ کون میں جو ابو بکر سے راضی نہ ہوں اور ان پر زبان طعن دراز کریں۔

سوم یا مگر بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث فم غصبہا کا شان ارشاد یہ ہے کہ ایک دفعہ جناب علی مرتضیٰ نے ابو جہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا اور نکاح کا پیغام بھی بے دیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے اس فعل سے سیدہ کو اس قدر ناگواری ہوئی کہ آپ روتی ہوئی حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں :-

الَاِتَ فَاطِمَةً بِضَعَّةٍ مِّمَّنْ يُوَدِّبُنِي  
مَا اِذَا هَا وَ يُوَدِّبُنِي مَا اَرَاكِهَا فَمَنْ  
اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِي۔

غور کیجئے! یہی غضاب والی روایت ہے جس کی بنا پر شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ لیکن اسی روایت کو اگر کوئی خارجی لے اڑے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الزامات قائم کر دیے۔

۱۔ کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا جو حضور اکرم کا بدترین دشمن اور اسلام کا بدترین مخالف تھا۔

۲۔ حضرت علی کی زوجیت میں دنیا کی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمہ زہرہ تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابو جہل کی لڑکی کو پیغام نکاح دے دیا۔

۳۔ حضرت علی کے اس فعل سے سیدہ کو جو صدر پہنچا اس کا اندازہ بھی وہی عورت کر سکتی ہے جس کا شوہر دوسری شادی کرنے کی فکر میں ہو۔

۴۔ حضرت علی کے اس فعل سے حضور سرور کائنات کو کیسا صدر پہنچا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہی کر سکتا ہے جس کا داماد دوسری شادی کرنے کا ارادہ کرے۔

غور کیجئے! ایک خارجی بھی اس روایت سے وہی الزامات حضرت علی پر قائم کر سکتا ہے جو شیخ حضرت صدیق اکبر پر قائم کرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ خارجی کے الزامات سے حضرت علی بری ہیں تو اسی طرح شیعوں کے الزامات سے حضرت صدیق اکبر بھی بری ہیں۔

اب لیجئے اس روایت کو جو مسلم شریف میں ہے کہ سیدہ نے وفات پانے تک

لم تکلمہ حتی توفیت | ابو بکر سے بات نہیں کی۔

کہ حدیث سن لینے کے بعد پھر کبھی سیدہ نے جناب صدیق اکبر سے فدک کا مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ فتح الباری میں ایک روایت کے لفظ یوں ہیں: کہ پھر سیدہ نے فدک کے معاملہ میں

فلما نکلمہ فی ذالک المال | حضرت ابو بکر سے گفتگو ترک کر دی۔

ثانیاً حضرت صدیق اکبر سیدہ کے محرم نہیں تھے کہ سیدہ ان سے بلا ضرورت شرعی بھی ان سے کلام کرتیں۔ سیدہ کا حضرت صدیق اکبر سے پردہ تھا۔ اور بلا ضرورت شرعی غیر محرم سے بات کرنا ناجائز

ہے۔ پھر سیدہ فاطمہ عفت و عسمت کا مجسمہ تھیں۔ لہذا ان کا کلام نہ فرمانا ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اول تو حضرت صدیق اکبر غیر محرم تھے۔ دوسرے فدک کے معاملہ میں مزید گفتگو

کی ضرورت ہی نہ تھی اور حضرت ابو بکر فدک کی آمدنی سے ان کے مصارف برابر پورے کرتے رہے۔ اس لیے سیدہ کو فدک کے سلسلہ میں دوبارہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔



اب لیجئے مسلم شریف کی روایت کے یہ لفظ :-

**مسلم کی روایت**

فلما توفیت دفنھا

جب حضرت فاطمہ کا وصال ہوا تو حضرت

زوجہا علی بن ابیطالب لبلا

علی نے ابوبکر کو خبر نہ دی اور رات کو

ولحد یؤذن بہا ابابکر۔

آپ کو دفن کر دیا۔

مسلم کی روایت سے شیعہ یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ چونکہ سیدہ نے وصیت کر دی تھی کہ ابوبکر کو میرے جنازہ میں شریک نہ کیا جائے، اس لیے حضرت علی نے وفات سیدہ کی اطلاع ابوبکر کو نہ دی۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ صحاح اہل سنت میں کوئی ایسی روایت ہی نہیں ہے کہ سیدہ نے ابوبکر کے متعلق ایسی کوئی وصیت کی تھی تو اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت علی نے سیدہ کے انتقال کی خبر کیوں نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انتقال کی خبر نہ دینا کسی ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا، اور نہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ نے ابوبکر کو جنازہ میں شامل نہ کرنے کی وصیت کر دی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کی زوجہ حضرت اسماء سیدہ کی تیار داری کے لیے وہاں خود ہی موجود تھیں اور سیدہ کے نہلانے اور کفن وغیرہ کا کام حضرت اسماء ہی کے سپرد تھا۔ حضرت علی نے اطلاع اسی لیے نہیں بھیجی کہ حضرت اسماء نے اول ہی خبر کر دی ہوگی۔

فدک کیا تھا۔ کہاں سے آیا۔ اس کی آمدنی کے مصارف کیا تھے ؟

**فدک کی تاریخ**

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض قطعات زمین جو مسلمانوں کے حملے کے وقت کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک فدک بھی تھا جو مدینہ منورہ سے تین منزل پر ایک گاؤں تھا۔ اس کی نصف زمین یہودی نے بطور صلح کے دی تھی (۲)، اسی طرح سات قطعہ زمین اور تھی جو مدینہ سے ملحق تھی جس کو یہود بن نضیر سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ تمام قطعات زمین مع فدک کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجتوں کے لئے اپنے قبضہ میں رکھ لئے تھے۔ اسی طرح بعض قطعات خیر تھے جن کی آمدنی سے پانچواں حصہ حضور کو ملتا تھا۔ جماد میں جو مال غنیمت آتا تھا اس میں بھی حضور کا حصہ مقرر تھا۔ حضور اکرم ان قطعات زمین سے جو آمدنی ہوتی تھی مندرجہ ذیل امور پر خرچ فرماتے تھے۔

۱۔ اپنی ذات مبارک پر۔ اپنے اہل و عیال ازواج مطہرات پر۔ تمام بنی ہاشم کو بھی اسی

آمدنی سے کچھ عطا فرماتے تھے۔

۲۔ صہبان اور بادشاہوں کے جو سفیر آتے تھے، ان کی صہبان نوازی بھی اسی سے ہوتی تھی۔

۳۔ حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد بھی اسی سے فرماتے تھے۔

۴۔ جماد کے لیے اسلحہ بھی اسی آمدنی سے خرید فرماتے تھے۔

۵۔ آپ اسی آمدنی سے مجاہدین کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جس کو تلوار کی ضرورت ہوتی اس کو تلوار اور جس کو گھوڑے یا اونٹ کی حاجت ہوتی لے دیتے۔

۶۔ اصحابِ صفہ کی خبر گیری اور ان کے مصارف بھی حضور اسی سے پورا فرماتے تھے۔ صدقہ کا جو مال آتا تھا اس سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ آتے ہی فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آمدنی ان تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ازواجِ مطہرات کو شکایت رہتی تھی۔ آپ نے بنی ہاشم کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ بھی مناسب تھا۔ حضرت سیدہ فاطمہ آپ کو حد سے زیادہ عزیز تھیں۔ مگر ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قطعات زمین کی آمدنی حضور مخصوص مہدوں میں خرچ فرماتے تھے اور ان کو آپ نے اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اللہ کا مال اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔

جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں مہدوں میں صرف کیا جن میں حضور اپنی حیات مبارکہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر فدک کی پیداوار کو لیتے تھے اور حبشنا اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور جن جن کے حضور نے وظیفہ مقرر فرما رکھے تھے حضرت صدیق اکبر باقاعدگی کے ساتھ ان کو لے دیتے تھے۔ فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ صدیقین ذوالفقار، عثمان و علی سب نے فدک کی آمدنی انہیں مہدوں میں صرف کی جن میں حضور کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معاویہ حاکم ہوئے تو امام حسن کی وفات کے بعد مرثان نے فدک کے ایک ثلث کو اپنی جاگیر بنا لیا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے لیے خاص کر لیا اور فدک مرثان کی اولاد کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کی حکومت ہوئی تو انھوں نے فدک کو مروان کے رشتہ داروں سے لے کر اسی حالت میں لوٹا دیا جس حالت میں حضور اکرم اور خلفائے اربعہ کے زمانہ میں تھا۔ یعنی انھوں نے فدک کی آمدنی کو انہیں مصروفوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا



جن میں حضور اور خلفاء اربعہ صرت کیا کرتے تھے۔ فدک کے متعلق جو حالات ہم نے درج کیے ہیں یثیمعی شنی دونوں حضرات کو تسلیم ہیں۔ اس صات اور سیدھی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا۔ محض بات کا بغلط بنا کر سیدنا صدیق اکبر کو مطعون کیا گیا ہے یہاں ہم خصوصیت کے ساتھ چند امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جن سے اس مسئلہ کے سمجھنے میں مویلا سانی ہوگی۔

اولے۔ فدک کی آمدنی کو جن مصارف میں حضور خرچ کرتے تھے خلفائے اربعہ نے بھی انہیں مصارف میں خرچ کیا۔

دوم۔ فدک کسی کی ملکیت نہ تھا۔ صرت اس کی آمدنی کے مصارف مقرر تھے کہ اس کی آمدنی فلاں فلاں جگہ خرچ کی جائے۔

سوم۔ خلفاء اربعہ فدک کی آمدنی کو وصول کرتے تھے تو محض وکیل تھے۔ کیونکہ نظام حکومت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے ان کا فرض تھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو حضور کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ کریں چنانچہ خود شیعہ علماء نے اس بات کا اعتراف و اعلان کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمدنی فدک سے حضور کے طریقہ کے مطابق اہل بیت کے اخراجات پورے کیا کرتے تھے۔

۱۔ نہج البلاغہ کی فارسی شرح از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام جلد پنجم صفحہ ۹۲ پر اور درخفیہ کے صفحہ ۳۳ پر ہے۔

ابوبکر غلام و سودا ز اگر فتنہ بقدر کفالت	حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے
بایل بیت علیہم السلام مبادلہ	اہل بیت کا خرچ ان کی ضرورت کے
مطابق دیا کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ شیم بجرانی شرح نہج البلاغہ صفحہ ۳۳ پر اور علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۲۹ پر تحریر کرتے ہیں :-	اور حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے
فکان ابوبکر یاخذ غلتها	اہل بیت کو دیتے تھے جو ان کو
فیذبح الیہم منها ما یکفیہم	کافی ہو جاتا تھا۔

انے چار علماء شیعہ کے اعتراف و اعلان سے واضح ہو گیا کہ سیدنا صدیق اکبر نے فدک میں وہ عمل کیا جو حضور کیا کرتے تھے۔ آپ نے فدک میں کوئی خیانت نہیں کی۔ نہ اس کو غصب کیا۔

بلکہ حضور کی مرضی و منشا کے مطابق اس میں عمل فرمایا۔ شیخ حضرات حضرت صدیق اکبر پر لازم لگاتے ہیں کہ انھوں نے اہل بیت کو فدک سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ان کے مقتدر علماء و یہ اقرار کر رہے ہیں کہ صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کو اتنا دے دیتے تھے کہ یکفیلہ جو اہل بات کو کافی ہو جاتا تھا۔

غور کیجئے۔ حضرت صدیق اکبر کا فدک کی آمدنی کو اہل بیت پر خرچ کرنا اہل بیت کو فدک سے محروم کر دینا ہے۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہوگئی کہ اگر حضرت فاطمہ حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہوتیں تو ان کی خدمات کو سرگز قبول نہ فرماتیں۔ آدمی جس سے واقعی ناراض ہوتا ہے اور جس کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اس کی تصویرت بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ گھر کے سارے اخراجات وصول کر لے حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اخراجات وصول فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور جو عمل صدیق اکبر فدک میں کر رہے تھے، اس سے بھی راضی تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جناب سیدہ صدیق اکبر سے کہہ دیتیں کہ صدیق اکبر فدک تو میرا حق ہے تو اس کی آمدنی سے میرے اخراجات پورے کرنے والے کون! لیکن جناب سیدہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صدیق اکبر گھر کے خرچ کے لیے جو رقم دیتے تھے اس کو قبول فرمایا۔ جو ان کی رضا مندی کی دلیل ہے۔

چہارم۔ خلفاء اربعہ کے زمانہ سے لے کر حضرت امام حسین تک فدک کی آمدنی بدستور حضور کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ ہوتی رہی۔ لیکن حضرت امام حسن کی وفات کے بعد مروان نے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو نیک اور عادل حاکم تھے انھوں نے اپنے دور حکومت میں مروان کے رشتہ داروں سے فدک کو لے لیا اور اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضور اکرم اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں اس کی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

قضیہ فدک میں سیدہ فاطمہ کا راضی ہونا | لیکن ان سوس شیخ حضرات اس بات میں انتہائی دھڑکی سے کارے کر اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے ناراض رہیں حتیٰ کہ آپ نے وصیت کر دی کہ ابو بکر میرے جنازہ میں بھی شریک نہ کیا جائے۔



یہ ناراضگی اور جنازہ میں عدم شرکت کا قصہ صرف اس لیے تصنیف کیا گیا ہے کہ شیعوں کے زعمِ ظاہل میں حضرت فاطمہ فدک کی وجہ سے آپ سے ناراض تھیں۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ سیدہ فاطمہ حضرت ابو بکر سے راضی تھیں تو شیعوں کے لیے طعن کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس لیے ہم فریقین کی کتب سے سیدہ فاطمہ کی رضامندی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

شیعوں کی معتبر اور مشہور ترین کتاب شرح نہج البلاغہ ابن سیم بحرانی جز ۵ ص ۵۴ میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے جب سیدہ کا کلام سنا تو حمد کی درود پڑھا اور پھر حضرت فاطمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے افضل عورتوں کی اور بیٹی اس ذات مقدس کی جو سب افضل ہے۔ میں نے رسول کی رائے سے تجاوز نہیں کیا۔ اور نہیں عمل کیا میں نے مگر رسول کے حکم پر۔ بے شک تم نے گفتگو کی اور بات بڑھادی۔ اور سختی اور ناراضی کی۔ اب اللہ تعالیٰ کرے ہمارے لیے اور تمہارے لیے۔ اور میں نے رسول کے ہتھیار اور سواری کے جانور علی کو دے دیے لیکن جو کچھ اس کے سوا ہمارے میں میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ ہم جماعت انبیاء نہ سونے کی میراث دیتے ہیں،

انا معاشرا لانبیاء لا نورث ذہباً	نہ چاندی کی، نہ زمین کی، نہ کھیتی کی
ولا فضة ولا ارضاً ولا عقاراً	اور نہ مکان کی میراث دیتے ہیں لیکن
ولا داراً ولا کتنا نورث الایمان	ہم میراث دیتے ہیں ایمان اور حکمت
والحکمة والعلم والسمعة	اور علم اور سنت کی اور عمل کیا میں نے
وعملت بما امرتني ولصحت	اس پر جو مجھے حکم کیا بتیار رسول نے
	اور میں نے نیک نیکی کی۔

اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ فرمایا کہ حضور نے فدک مجھ کو ہبہ کر دیا تھا جس پر انھوں نے علی اور ام المومنین کو گواہ پیش کیا جنھوں نے گواہی دی۔ پھر عمر آئے انھوں نے اور عبدالرحمن بن عوف نے یہ گواہی دی کہ حضور فدک کی آمدنی تقسیم فرمادیتے تھے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا۔ تم سب سچے ہو۔ مگر اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے تمہارے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	گزارے کے لیے رکھ لیتے تھے،
یاخذ من فداک قوتکم ولقیسم	اور باقی جو بچتا تھا اسکو تقسیم فرماتے

الباقي ويحمله فيه في سبيل الله ذلك  
على الله ان اصنع بها كما كان  
يصنع فرضيت بذلك واخذت  
العهد عليه به فكان ياخذ  
غلتها فيدفع اليهم منها ما  
يكفيهم ثم فعلت الخلفاء  
بعد ذلك

(شرح بسم مصور باران جلد ۴)

تھے اور اللہ کی راہ میں اس میں سے  
اٹھاتے تھے اور میں تمہارے لیے  
اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فک میں وہی  
کروں گا جو رسول کرتے تھے تو اس پر  
فاطمہ راضی ہو گئیں اور فک میں اسی پر  
عمل کرنے کو ابو بکر سے عہد لے لیا اور ابو بکر  
فک کی پیداوار کو لیتے تھے اور خُزنا  
اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس

بھیج دیتے تھے۔ پھر ابو بکر کے بعد اور خلفائے بھی اسی طرح کیا۔

یہاں یا مرقا بل ذکر ہے کہ حضرت سیدہ کی رضامندی والی یہ روایت صرف ابن شیم ہی نے نہیں بلکہ  
متعدد علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے جن کے نام یہ ہیں:-

۱۔ در بحقیہ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص ۳۳۲

۲۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم جز ۱۶ ص ۲۹۶

۳۔ سید علی نقی فیض الاسلام کی تصنیف فارسی شرح نہج البلاغہ جز ۵ ص ۹۶

رضامندی کی اس روایت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:-

اولے: فک کے متعلق حضور کے طرز عمل اور صدیق اکبر کے طرز عمل میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔

دوم: حضرت فاطمہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور صدیق طرز عمل آپ کو پسند تھا۔

قارئین کرام! اللہ انصاف کیجئے! اس روایت سے جو شیعوں کی معتبر مذہبی کتاب کی ہے  
بالکل واضح لفظوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا تفسیر فک میں حضرت صدیق اکبر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کے اس فیصلہ سے جو انھوں نے حدیث رسول کے ماتحت کیا راضی ہو گئیں۔  
اور سیدہ نے اس امر کا حضرت ابو بکر سے عہد بھی لے لیا کہ ابو بکر فک کی آمدنی سے اہل بیت کے اخراجات  
پورے کریں گے۔ ایسی صاف و صریح رضامندی کے بعد بھی شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر زہد بان  
طعن دراز کریں تو اس کا علاج واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد



کسی محب اہل بیت کے لیے تو ریگنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کر سکے۔  
البتہ انصافی سے کام لینا دوسری بات ہے۔

سوم: اہل بیت کے اخراجات تمام عمر حضرت صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے پورے کرتے رہے۔ اور سیدہ اپنے اخراجات حضرت صدیق اکبر سے وصول کرتی رہیں اور صدیق اکبر کے طرز عمل کو فرماتی رہیں۔

چہارم: نہ صرف صدیق اکبر بلکہ تنزیل خلفاء بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ اور انھوں نے فدک میں وہ طرز عمل اختیار کیا جو حضور علیہ السلام اور ان کے بعد صدیق اکبر نے اختیار کیا۔

شیعوں کی مشہور مذہبی کتاب حتیٰ الیقین مطبوعہ ایران حضرت عمر سے بھی سیدہ راضی تھیں کے صفحہ ۱ پر ہے:- پھر جب حضرت علی وزیر نے

کہ چون علی وزیر بیعت کر دند و ایں فتنہ فرو نشست۔ ابو بکر آمدہ شفاعت از برائے عمر و فاطمہ از و راضی شد۔	بیعت کر لی تو حضرت ابو بکر آئے اور حضرت عمر کے متعلق سفارش کی تو حضرت فاطمہ عمر سے بھی راضی ہو گئیں۔
--	--

اسی طرح طبقات ابن سعد جلد ۲ مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱ پر ہے۔ حضرت ابو بکر فاطمہ کے پاس آئے جبکہ وہ بیمار تھیں۔ انھوں نے اجازت چاہی تو حضرت علی نے کہا ابو بکر دروازہ پر ہیں اگر تم چاہو تو ان کو اجازت دے دو۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ تم راضی ہو اس کو محبوب کہتے ہو۔ علی نے فرمایا: ہاں پس حضرت ابو بکر داخل ہوئے عذر کیا اور فاطمہ حضرت ابو بکر سے راضی ہو گئیں۔	جاء ابو بکر الی فاطمہ، حین مرضت فاستأذن فقال علی هذا ابو بکر علی الباب فان شئت ان تأذنی لہ قالت وذلک احب الیک قال نعم فدخل علیہا واعتمد
--	---

الیہا وکلما ورضیت عنہ۔ روایات فریقین سے ظاہر ہے کہ

سیدہ فاطمہ بوقت وفات سیدنا صدیق اکبر سے بالکل راضی تھیں اور کسی قسم کی کسبیدگی ان کے دستانہ تھی۔  
شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر سیدہ  
حضرت سیدہ کی ناز جنازہ میں حضرت ابو بکر کی شرکت  
فاطمہ کے ناز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور

اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سیدہ نے وصیت کر دی تھی کہ ابو بکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ اس کے جواب میں پہلے تو ہم ایک اصولی بات کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے جنازہ میں کسی شخص کا بالتخصیص شریک ہونا نہ فرض تھا اور نہ واجب۔ اور اگر بالفرض شیعہ ہر فرد کی شرکت فرض سمجھتے ہیں اور علم شرکت کو منافی اسلام سمجھ کر شریک نہ ہونے والوں کو زبان طعن دراز کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ ان کی مستند روایات کے مطابق صرف سات آدمیوں نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی چنانچہ شیعوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے۔

از حضرت امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ	حضرت امیر المؤمنین علی سے روایت
روایت کردہ است کہ سہنت کس بر	ہے کہ آپ نے فرمایا صرف سات
جنازہ حضرت فاطمہ نماز کردند ابوذر	آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی
سلمان۔ حذیفہ۔ عبد اللہ بن مسعود و مقداد	جن کے نام یہ ہیں۔ ابوذر۔ سلمان۔ حذیفہ
ومن امام ایشاں بودم (جلاء العیون)	عبد اللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا ام تھا

جلاء العیون کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف سات افراد نے سیدہ فاطمہ کے نماز جنازہ میں شرکت کی جو اوپر مذکور ہیں اور مندرجہ ذیل افراد نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے مثلاً حضرت ام حسن اور حسین۔ عبد اللہ بن عباس، عقیل بن ابی طالب برادر حقیقی حضرت علی، جعفر بن ابی طالب، قیس بن سعد بن عبادہ، ابوالیوب انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن حنیف بلال صمیم، برادر بن عازب، ابورافع، بارہ افراد میں جن کو شیعہ بھی مانتے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو حیات القلوب، رجال کشی، رجال نجاشی) قواب سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت صدیق سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور یہ بھی فرض کر لیجئے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ ان سے ناراض تھیں تو شیعہ ان بارہ حضرات کے متعلق کیا کہیں گے۔ یہ بھی تو سیدہ کے نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیا ان سے بھی سیدہ ناراض تھیں اور کیا سیدہ فاطمہ نے یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ میرے نماز جنازہ میں حسن و حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لادے بیٹے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کی شرکت یا عدم شرکت کو ناراضگی یا رضا مندی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے اور اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت حسن حسین عبد اللہ بن عباس اور دیگر افراد کے متعلق بھی یہ کہنا چاہیے کہ ان سے حضرت فاطمہ ناراض تھیں۔ کیونکہ



جلال العیون کی وراثت کے مطابق یہ حضرات بھی سیدہ کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ بھی جائے کہ حضرت صدیق نے سیدہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو اس کو حضرت صدیق سے سیدہ کی ناراضگی کی دلیل بنا لیا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اس کے علاوہ شیعوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی زوجہ محترمہ سہام بنت عیس کو جناب سیدہ کی خدمت کے لیے چھوڑ دیا تھا اور حضرت اسماء سیدہ کی تباہ کاری کی تمام خدمات انجام دیتی تھیں اور شبانہ روزانہ کے گھر میں مقیم تھیں۔ حضرت فاطمہ نے بوقت وفات انہیں کو غسل دیئے، کفن پہنانے اور جنازہ تیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی کتاب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعات شیعوں کی ہر اس کتاب میں مذکور ہیں جس میں حضرت فاطمہ کی وفات اور تجہیز و تکفین کے واقعات درج ہیں۔ جیسے جلال العیون، نسخ التواریخ وغیرہ۔ نہ صرف یہ بلکہ کتب شیعہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ جب حضرت فاطمہ کو یہ خیال ہوا کہ کپڑے سے عورتوں کا پردہ اچھی طرح نہیں ہوتا ہے تو گموارہ کا مشورہ حضرت ابوبکر کی زوجہ محترمہ ہی نے دیا تھا اور یہ بیان کیا تھا کہ حبشہ میں انھوں نے یہ صورت دیکھی ہے کہ جنازہ پر نیکو طیاں باندھ کر گموارہ بناتے ہیں چنانچہ اسی صورت گموارہ کو جناب سیدہ نے پسند کیا اور حضرت ابوبکر کی زوجہ محترمہ نے موافق وصیت جناب سیدہ ان کے غسل و تجہیز و تکفین میں شریک ہوئیں۔ اس سچے تاریخی واقعہ سے جو شیعوں کی تمام کتب میں موجود ہے، مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اولے: اگر جناب سیدہ حضرت ابوبکر صدیق سے ناراض ہوتیں تو حضرت فاطمہ کبھی ان کی زوجہ محترمہ سے خدمت لینا پسند نہ کریں اور نہ حضرت ابوبکر ہی اپنی زوجہ کو یہ اجازت دیتے کہ وہ شبانہ روز سیدہ کے گھر مقیم رہیں اور ہمہ تن ان کی تیمارداری میں مشغول و مصروف رہیں۔

دوم: بالکل وضاحت سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکر سے قطعاً راضی تھیں اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنی زوجہ محترمہ سے سیدہ کے حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ یا وہ خود اپنی زوجہ سے پوچھ لیتے تھے۔ یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ وفات کی اطلاع خصوصی طور پر حضرت ابوبکر کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب ان کی زوجہ محترمہ سیدہ کی تیمارداری میں مصروف تھیں تو حضرت ابوبکر کو ایک ایک بار کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہوں گے۔ چنانچہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی جلد آخر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ گسوارہ کی خبر پاکر ابو بکرؓ پر چھپنے آئے کہ یہ نئی چیز کیوں بنائی تو حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ نے ان کو سمجھا دیا کہ جناب سیدہؓ نے اس کی وصیت کی تھی اور گسوارہ کو پسند کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ خاموش ہو گئے۔ ان مذکورہ بالا امّوں سے واضح ہو گیا کہ سیدہ فاطمہؓ بوقت وفات حضرت ابو بکرؓ سے بالکل راضی تھیں۔ لہذا جنازہ میں ابو بکرؓ کی عدم شرکت بالکل خلاف عقل و دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ضرور سیدہ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ حضرت ابو بکرؓ نے پڑھی | چنانچہ بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جنازہ کی نماز میں شریک تھے۔ بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نماز جنازہ کے امام تھے۔ طبقات ابن سعد میں امام شعبیؒ و امام نسائیؒ سے دور روایتیں ملتی ہیں :-

۱۔ عن الشعبي قال صلى عليها ابو بكر رضي الله تعالى عنه (۲) عن ابراهيم قال صلى ابو بكر الصديق على فاطمة بنت رسول الله وكبر عليها اربعاً

امام شعبیؒ ابراہیمؒ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھائی اور کھولنے کے لئے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کیں۔

ثابت ہو گیا کہ بوقت وفات حضرت ابو بکرؓ سیدہ فاطمہؓ میں کوئی شکر رنجی و کینہ نہ تھی۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے نماز جنازہ کی نماز کی امامت کی۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ سیدہ حضرت ابو بکرؓ نے راضی تھیں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے پاس فدک کے علاوہ بھی حضور کے سات گاؤں تھے جن کے نام یہ ہیں :-

سیدہ فاطمہؓ کے پاس سات گاؤں تھے

دلال، عفات، حسنی، صافیہ، ملام ابراہیم، مہیت، برق، چنانچہ پھر فرع کافی کی جلد ثالث میں ہے کہ احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظمؑ سے ان سات باغوں کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا :- میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے

۱۔ لا انا كانت وقفاً وكان رسول الله

ياخذ اليه منها ما ينفق على اصبافه

۲۔ فلما قبض جاء العباس بن جراح

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اس قدر لے لیتے تھے جو مہمانوں کے خرچ کو کافی ہو۔ پھر جب رسول کا انتقال ہو گیا



فاطمۃ فیہا فہمہ علی علیہ  
السلام وغیرہ انھا وقف علی  
فاطمۃ علیہا السلام۔

تو عباس ان کی بابت حضرت فاطمہ سے  
جھگڑے تو حضرت علی اور دوسروں نے  
اس بات کی گواہی دی کہ یہ وقف ہیں فاطمہ پر۔

فروع کافی جو شعبہ مذہب کی مشہور کتاب ہے اس کی اس روایت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ سیدہ فاطمہ کے پاس مذکور کے علاوہ حضور اکرم کے سات گاؤں تھے۔ مگر یہ وقف تھے اور حضور اکرم  
مہمانوں کے لیے ان کی آمدنی سے کچھ لے لیا کرتے تھے ۲۱ حضور اکرم کے وصال کے بعد حضرت عباس نے ان  
میں میراث کا جھگڑا کیا تو جناب سیدہ نے حضرت علی کی گواہی پر ان کو یہ ہی جواب دیا کہ یہ تو وقف ہیں اور  
ان میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ پس جس طرح حضرت علی کے بیان پر ان سات باغوں میں میراث جاری ہوئی  
اور سیدہ نے ان میں سے حضرت عباس کو ایک حصہ بھی نہ دیا تو اسی طرح اگر حضرت ابو بکر نے حدیث  
رسول کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ مذکور میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو کوئی نسا ظلم کیا۔ جب حضرت ابو بکر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم کی حدیث سنا دی کہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی اور جو مال وہ  
چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ پھر حضرت ابو بکر پر کیا طعن ہے۔ کیا ان کو حدیث پر عمل کرنا واجب تھا۔ پس اگر  
سیدہ فاطمہ نے مال وقف سے حضرت عباس کو میراث دے کر کوئی جرم نہ کیا تو حضرت ابو بکر نے بھی حدیث  
پر عمل کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس کے علاوہ یا مگر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابو بکر نے سیدہ فاطمہ سے  
بنغض و عناد کی وجہ سے میراث کی نفی نہیں کی تھی۔ ایسا ہوتا تو آپ ازواج مطہرات اور حضرت عباس  
جو حضور کے چچا تھے خصوصاً حضرت عائشہ جو ان کی بیٹی تھیں، ان کو میراث دے دیتے۔ کیونکہ ان سے  
آپ کو کوئی بنغض نہ تھا۔ ثانیاً۔ اگر خلفاء کا فیصلہ غلط تھا تو حضرت علی اپنے دور خلافت میں میراث جاری  
فرما دیتے۔ مگر جناب امیر نے خود مذکور میں وہی عمل کیا جو خلفاء نے کیا تھا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے  
کہ صدیق اکبر کا فیصلہ صحیح تھا اور جناب امیر بھی اس کو صحیح سمجھتے تھے۔ اگر وہ غلط ہوتا تو جناب امیر اپنے  
زمانہ میں ضرور اس میں میراث جاری کرتے۔ ثالثاً۔ اگر حضرت صدیق اکبر نے فیصلہ سیدہ کے بنغض  
و عناد کی وجہ سے کیا تھا تو پھر آپ نے ساری جائیداد سیدہ کے حضور کیوں پیش کی۔

حضرت صدیق اکبر کا اپنی جائیداد  
حضرت ابو بکر نے اپنی جائیداد سیدہ فاطمہ کے سامنے پیش کر دی  
کو جناب سیدہ کے حضور نہایت

التجا کے ساتھ پیش کرنا اس امر کی ہیبت بڑی دلیل ہے کہ صدیق اکبر کو سیدہ سے کسی قسم کا غناؤ نہ تھا اور میراث حضور اکرم کی حدیث کی بنا پر آپ نے منع کی تھی۔ چنانچہ شیعوں نے سیدہ کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ جناب سیدہ مطاہرہؓ کا پڑھ چکیں تو خلیفہ اول نے بہت سے مناقب جناب سیدہ کے بیان کیے اور بہت معذرت کے بعد یہ کہا:-

دا سوال واحوال خود را از تو معنائتہ نے  
کنم آنچه خواہی بگیر تو سیدہ است پدر  
خودی و شجر طیب از برائے فرزندان خود نکاز  
فضل تو کسے نے تو اند گرد و حکیم تو نافذ است  
در اموال من ۱۰ اما در اموال مسلمانان مخالفت  
گفتہ پدر تو نمیتوانم کرد۔  
(حق الیقین ملا مجلسی ص ۲۳۱)

اور میرے حوالہ احوال میں تمہیں  
اختیار ہے۔ آپ جو کچھ چاہیں بلا تاویل  
کے سکتی ہیں۔ آپ سید عالم صلی اللہ علیہ  
وسلم کی اُمت کی سردار ہیں اور اپنے  
فرزندوں کے لیے شجرہ طیبہ میں آپ کی  
فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور  
آپ کا حکم میرے تمام مال میں نافذ ہے

لیکن مسلمانوں کے مال میں تمہارے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الادا جان  
کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لہذا انصاف کیجئے۔ سیدنا صدیق اکبر سیدہ فاطمہؓ کے حضور میں التجا کر رہے ہیں کہ میری دولت حاضر ہے  
تم جو چاہو لے سکتی ہو۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ تمہارا حکم نافذ ہے۔ تمہارا فضل و شرف مستم ہے۔  
تمہاری عظمت و رفعت سے کسی کو انکار نہیں ہے میرا مال حاضر ہے مگر اموال مسدین یعنی مذکورہ ذلت  
ہے۔ اس میں تمہارے ہی والد محترم و مکرّم حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میراث  
جاری نہیں ہو سکتی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں مذکور میں میراث جاری کر کے رسول کے حکم کی کیسے مخالفت  
کروں۔ صدیق اکبرؓ کے اس بیان سے جو شیعوں کی اسی مذہبی کتب میں مذکور ہے۔ یہ واضح ہو گیا کہ مذکور  
حضرت صدیق نے صرف اس لیے نہیں تقسیم کیا کہ اس کے متعلق حضور کا ارشاد موجود تھا۔

ثانیاً۔ حق الیقین کے اس حوالہ سے اس اعتراض کی بھی دھجیاں اڑ گئیں جو شیعوں کے مشہور عالم  
سید محمد مدنی نے اپنی تصنیف سواد السبیل کے صفحہ ۱۶۵ پر کیا ہے۔ کہ اگر ابو بکر خطا وار نہ تھے تو انھوں نے  
معذرت کیوں کی۔ کیا بغیر قصو کیے بھی کوئی معذرت کرتا ہے۔ آنکہ حساب پاک اُمت از محاسبہ چرپاک۔



تو اس کا جواب بھی حق الیقین کے حوالے سے ہو گیا۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنے قصور وار ہونے کی وجہ سے معذرت نہیں کی تھی بلکہ اس لیے کی تھی کہ ان کے دل میں جناب سید کی انتہائی تعظیم و توقیر تھی اور وہ چاہتے تھے کہ سیدہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور وہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں میراث کی لغوی اپنی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس لیے بار بار وہ اس امر کی وضاحت کرتے تھے کہ میراث کی لغوی میں نے کہا ہے پھر بزرگوار حضور سید المرسلین کے حکم کی بنا پر کی ہے اور علی طور پر اس کی دلیل یہ پیش فرماتے تھے کہ میرا تمام مال دولت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ چاہو تو اس کو قبول کر لو

کیا حضرت علی نے فداک تقسیم کیا؟ یہاں یا مگر بھی قابل ذکر ہے کہ تمام کتب تواریخ اس پر شاہد ہیں کہ فداک زمانہ علوی میں بھی اسی طرح رہا جیسے صدیق و فداک

کے دو خلافت میں تھا اور حضرت علی نے بھی فداک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو صدیق اکبر نے جاری رکھا تھا۔ تو اگر حضرت صدیق اکبر نے اپنے دور حکومت میں فداک غصب کر لیا تھا تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے فداک کو تقسیم کرتے اور اس وقت جو اس کے وارث موجود تھے ان کو دے دیتے۔ اور جو ناجائز بات چلی آرہی تھی اور جو ظلم روا رکھا گیا اس کو اپنے دور خلافت میں ختم کر دیتے کیونکہ خود حضرت علی فرماتے ہیں کہ امام کے لیے پانچ امر ضروری ہیں :-

- (۱) خوب و عظیم کہنا (۲) لوگوں کی خیر خواہی میں خوب قوت صرف کرنا (۳) نبی کی سنت کو زندہ کرنا۔
  - (۴) سزاؤں کے حقداروں کو سزا دینا (۵) حقداروں کو ان کے حقوق واپس لوٹا دینا (۶) بیعت ابلاغ مصری علیؑ
- اسی طرح رجال کشی میں حضرت علی کا یہ ارشاد مذکور ہے :-

انی اذا بصرت شيئا منكرا اى

قدت نادرا ودعوت قنبرا۔

(مجال کشی ۱۹۵)

جب میں خلافت شریعت کا کام دیکھتا

ہوں تو آگ جلتا ہوں اور قنبر کو جلتا ہوں۔

اسی بنا پر آپ نے ان لوگوں کو آگ میں جلا

دیا تھا۔ جو آپ کو خدا کئے لگ گئے تھے۔ پھر فرماتے ہیں :-

ولا المعطل للسنة فيهلك

الامة (بیعت ابلاغ مصری ۳۹)

ام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو پیغمبر کے طریقے کو چھوڑے رشتہ امت ہلاک ہو جائی۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے فداک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو سیدنا صدیق اکبرؑ

جو اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک فدک میں صدیقی طرز عمل حق و ثواب تھا اور علی رضی اللہ عنہ صدیقی طرز عمل کو بالکل شریعت اسلامیہ کے مطابق جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا صدیقی خلافت میں غضب فدک کا قول کرنا حضرت علی کی امامت و خلافت پر شرمناک حملہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق اکبر نے فدک غضب کر لیا تھا تو حضرت علی پر بھی یہ الزام قائم ہو گا۔ مگر انھوں نے فدک کو صدیقی خلافت کے دستور پر جاری رکھ کر امامت و خلافت کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبر اگر غاصب فدک ثابت ہوں گے تو علی رضی اللہ عنہ غضب کے برقرار رکھنے والے۔ سو چٹے کہ غضب کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا غضب کو برقرار رکھنے والا۔ اور غاصبوں کے طرز عمل کی باوجود حکومت و سلطنت کے حمایت کرنی والا (معاذ اللہ) غرضیکہ قضیہ فدک میں جناب علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل دنیا کے شیعیت پر بہت بھاری جھٹ ہے۔ اگر صدیق اکبر کی خلافت پر اعتراض ہو گا تو سیدنا علی کی خلافت پر بھی حرج آئے گا۔ پس جناب علی رضی اللہ عنہ کا اراضی فدک کو اسی دستور پر رکھنا جس پر کہ جناب صدیق اکبر نے رکھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور ان کے طرز عمل کی صحت پر دلیل قاطعہ ہے۔

اس سے موقع پر شیعہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فدک اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ اہل بیت اہل مغمضوب واپس نہیں لیا کرتے۔ لیکن یہ بات انتہائی لچر ہے۔ مجالس المؤمنین میں ملا نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے۔ عمر بن عبد العزیز کے اپنے دور حکومت میں فدک امام باقر کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اگر عزم شیعہ اہل بیت اشیائے مغمضوبہ نہیں لیا کرتے تو امام باقر نے جو شیعوں کے نزدیک مغمضوب ہیں۔ فدک واپس لے کر اپنے آباؤ اجداد کا کیوں خلافت کیا؟ اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت مغمضوبہ کو کیوں قبول کیا اور حضرت امام حسین خلافت مغمضوبہ کی خاطر بزیل سے کیوں لڑے؟ چونکہ معصومین کا ایک ساحل ہوتا ہے۔ تو اس جواب سے تو شیعوں پر بہت سے اعتراض پڑ جائیں گے۔ اس لئے آپ کو ماننا پڑے گا کہ فدک کو حضرت علی نے اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ ان کے نزدیک صدیق و فاضل کا فیصلہ اور عمل صحیح و ثواب تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت علی ضرور اس فرض کو ادا فرماتے اور کسی حالت میں بھی کوتاہی نہ فرماتے۔

ایک اعتراض شیعہ یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی تو ازواج مطہرات کے حصے

ازواج مطہرات کو میراث میں حصہ کیوں دیے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے



کہ ازواج مطہرات کے پاس جو حجرے تھے وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہر نبی کو ایک ایک حجرہ بنا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ اور ازواج نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور سب مع قبضہ موجب ملکیت ہے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ اور حضرت اسماء کو بھی حضور نے اس قسم کے گھر بنا کر ان کی تحویل میں دے دیے تھے اور ازواج مطہرات اور بیوگ ان گھروں کے مالک تھے۔ لہذا یہ حجرے ازواج کو میراث نہیں ملے تھے بلکہ یہ تو ان کی ملکیت تھے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شعیبہ بنی کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جب امام حسن کی وفات نزدیک آئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے حجرہ میں دفن کیے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اگر یہ حجرہ حضرت عائشہ کی ملکیت نہ ہوتا تو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔

ثانیاً۔ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ حجرے ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ یہ حجرے خود حضور نے اپنی حیات میں ازواج کی ملکیت میں دے دیے تھے چنانچہ ارشاد باری ہے:-

قَرْنَ مَبُوءَاتٍ | اے رسول کی بیویو! اپنے گھروں میں ہو

اگر یہ حجرے ازواج کی ملکیت نہ ہوتے تو پھر قرن فی بیوت الرسول (رسول کے گھروں میں قرار پکڑو) ہونا چاہیے تھا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ حجرے ازواج کی ملکیت تھے اور میراث میں ان کو نہیں ملے تھے۔